نظریہ ارتقا کی تردید

مصنف ۔ ڈاکٹر احید حسن
پیشکش ۔ آپریشن ارتقائے فہم و دانش

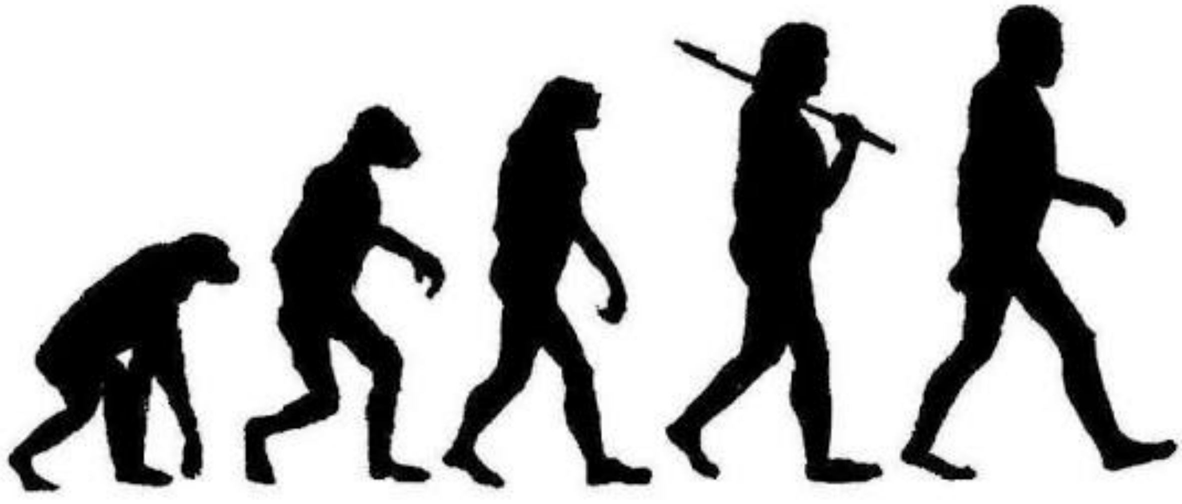

نظریۂ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن

(حصہ اول)

مشہور یہودی چارلس ڈارون کا پیش کردہ نظریہ ارتقاء کہ تمام جاندار و انسان گرم سمندروں میں سادہ سالموں یا ملیکیول کے پیچیدہ سالموں یا مالیکیول میں اور پھر یک خلوی یا unicellular اور پھر کثیر خلوی یا multicellular جانداروں اور پھر اس سے ہوتے ہوئے افریقی گوریلوں یا بن مانس اور اس سے پھر انسان میں تبدیل ہوئے۔کیا یہ نظریہ سچ ہے ؟کیا جدید علم حیاتیات یا بیالوجی و جینیٹکس یا علم وراثت اس کی تصدیق کرتا ہے ؟سائنسدانوں کی کتنی تعداد اس پہ یقین رکھتی ہے ؟اس بات کا جائزہ ہم اس مضمون کی لگاتار قسطوں میں میں گے۔

نظریہ ارتقاء سائنس کے انتہائی متنازعہ نظریات میں شمار ہوتا ہے،بلکہ یہ سائنس کا سب سے متنازعہ نظریہ ہے جس کی حمایت جدید علم وراثت یا جینیٹکس اور جدید علم حجریات یعنی فوسلز کا علم یا Palaoentology نہیں کر سکا جس سے اس کی صحت مزید مشکوک بلکہ مردود ہو گئ ہے۔یہ نظریہ کبھی قانون نہیں بن سکتا کیونکہ یہ غلطیوں سے بھرپور ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج ڈیڑھ سو سال بعد بھی یہ معقول سائنسی شواہد نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات کا شکار ہے۔اس کی بنیاد قدرتی چناؤ یا نیچرل سلیکشن کے اصول پہ رکھی گئی ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ کہ قدرتی چناؤ یا نیچرل سلیکشن ارتقائی عمل نہیں ہے۔پودوں و جانوروں میں موجود وراثتی مادہ ڈی این اے ان جانداروں کے درمیان ہمیں باہم منتخب ملاپ یا Selective breeding کی سہولت فراہم کرتا ہے۔اس سے نسل در نسل خاص خصوصیات رکھنے والے حیوان یا کتے پیدا کئے جا سکتے ہیں جو اچھی اور ماحول کے مطابق ڈھل جانے والی خصوصیات رکھتے ہوں لیکن قدرتی چناؤ کا یہ انسانی تجربہ کبھی بھی کئ نسلوں کے بعد کتوں سے بلیاں پیدا نہیں کرتا۔یعنی ایک جاندار قدرتی چناؤ سے بھی دوسرے جاندار میں تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ یہ چناؤ ڈی این اے اور کروموسوم کو تبدیل نہیں کرتا کہ ایک جانور کا ڈی این اے کوڈ اور کروموسوم کی مکمل تعداد ہی تبدیل ہو جائے اور وہ قسم دوسرے جانور کی قسم میں تبدیل ہو جائے۔جدید علم وراثت یا جینیٹکس کے مطابق یہ ناممکن ہے۔لہٰذا جانداروں کی دوسری قسم کے جانداروں میں باہم تبدیلی ناممکن ہے۔جدید ترین تجربہ گاہوں میں یہ تجربہ ناکام ہو چکا ہے اور ارتقاء کے حامی اس تبدیلی کا جینیٹکس سے ثبوت دینے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

اگر قدرتی چناؤ یا نیچرل سلیکشن کا یہ نظریہ سچ ہے تو شمالی امریکہ کے سرد علاقوں میں پائے جانے والے اسکیمو نسل کے لوگوں کے پر ہونی چاہئے تھے جو کہ انہیں سردی میں گرم رکھتے جب کہ ایسا نہیں ہے اور خط استوا کے گرم علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی جلد

میں Melanin کم ہوتا جس سے ان کی جلد سفید ہوتی اور کم روشنی جذب کرتی اوران کا جسم ٹھنڈا رہتا جب کہ ایسا نہیں ہے۔اگر یہ ارتقاء مکمل ابھی نہیں ہوا تو اس کی کوئی علامت تو ہو جب کہ وہ بھی نہیں ہے۔اسی طرح اگر قدرتی چناؤ یانیچرل سلیکشن کا تصور درست تھا تو قطبین کے سرد علاقوں کے لوگوں کی جلد میلانن کی زیادتی سے سیاہ ہوتی تا کہ انہیں سردی زیادہ نہ لگے جب کہ وہ الٹا سفید ہے۔نیچرل سیلیکشن یا قدرتی چناؤ کا یہ تصور غلط ہے کیونکہ یہ وراثتی مادہ یا ڈی این اے میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں کرتا جو اس میں پہلے نہ ہو جیساکہ خط استوا کے انسانوں کی جلد کو سفید کرنے کی تا کہ وہ زیادہ گرمی سے محفوظ رہ سکیں۔اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ برفیلے اورگرم دونوں علاقوں کے ریچھ کے موٹے بال ہوتے ہیں جب کہ قدرتی چناؤ کے مطابق گرم علاقے کے تیندوے اور ریچھ کے بال کم موٹے ہوتے تاکہ گرمی سے بچاؤ ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔یہ سارے حقائق ڈارون کا قدرتی چناؤ یانیچرل سلیکشن کا تصور غلط ثابت کرتے ہیں۔

کچھ حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ نظریہ ڈارون نے نہیں بلکہ اس کے دادا نے 1794 میں پیش کیا تھا۔جد نے بھی پش کیا ہو،یہ سائنسی حقائق سے متصادم ہے کیونکہ وقت ناممکن کو ممکن نہیں بناتا۔اس کا ایک تجربہ کیا گیا۔ایک کمپیوٹریا شماری آلہ میں یہ ہدایت کوڈ کی گی کہ وہ خود بخود ایک 26 حروف پہ مشتمل ایک جملہ لکھ دے۔35 ٹریلین کوششوں کے بعد بھی یہ صرف چودہ حروف ٹھیک لکھ سکا جب کہ کائنات جس کے اجزاء بھی شروع میں نہ تھے پہلے ان اجزاء کا بنا پھراس سے یہ سب ہونا کیسے ممکن ہے۔اس بات کا امکان کتنا ہے کہ اپنے اندر سو مختلف شکلوں کی ساٹھ ہزار پروٹین رکھنے والا ایک سیل یا خلیہ خود بخود بن گیا۔یہ حقیقت میں نا ممکن ہے۔کیونکہ سائنسدانوں کے مطابق پینتیس ٹریلین سال بعد بھی صرف چودہ حروف درست نکلے کمپیوٹر میں جب کہ کائنات کی کل عمر ہی دس ارب سال ہے۔اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ نظریہ ارتقاء غلط ہے۔

یہاں تک کہ یورپی تعلیمی نظام میں بھی طلباء کو اس نظریے پہ حرف بحرف یقین کرنے کو کہا جاتا ہے اور اگر کوئی اس پہ سوال اٹھائے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے جب کہ دوسری طرف مذہب کے معاملے میں آزادی سے سوچنے کی دعوت دی جاتی ہے جو کہ دوہرا معیار ہے۔کہا جاتا ہے کہ کچھ مچھلیاں سمندر سے نکل کے خشکی کے جانوروں میں تبدیل ہوگئ جب کہ مچھلیاں خشکی پہ سانس بھی نہیں لے پاتی۔ڈائنو سار کا حجری یا فوسل ریکارڈان کے اور مچھلیوں کے درمیان کوئی درمیانی جاندار ظاہر نہیں کرتا جس سے ظاہر ہو کہ ان کا ارتقاء سمندری مخلوق سے ہوا۔یہ فوسل ریکارڈ موجود ہی نہیں ہے کیونکہ کوئی درمیانی جاندار بھی موجود نہیں۔

نظریہ ارتقا کے ماہرین نے زبردستی کچھ فوسل کو انسانی ارتقاء سے ملانے کی کوشش کی ہے جیسا کہ افریقہ میں دریافت ہونے والے بڑے اور پھیلے ہوئے پاؤں اورآگے بڑھے ہوئے جبڑے کے ایک ڈھانچے کو انسان کا جدامجد قرار دیا گیا جب کہ بعد میں یہ بن مانس کا ڈھانچہ ثابت ہوا۔

آج تک نظریہ ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے جانداروں کے درمیان ارتقاء کا تسلسل جاری رکھنے کے لیے ور درمیانی جاندار اوران کے فو سل دریافت نہیں ہو سکے جن کو ڈارون نے "نہ پائے جانے والے رابطے"یا مسنگ لنک قرار دیا تھا جب کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ نظریہ ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے یہ لازمی ہیں جب کہ آج تک یہ دریافت نہیں ہوئے۔اور ہمیں جاندارون کی الگ الگ قسمیں ملتی ہیں تو پھر ارتقاء کا نظریہ بغیر ثبوت کیسے مان لیا جائے گا۔

چیتا ثابت کرتا ہے کہ نظریہ ارتقاء غلط ہے کیونکہ سب چہرے ایک دوسرے سے اتنے ملتے ہوتے ہیں کہ اگر ایک چیتے کی جلد دوسرے چیتے کو لگا دی جائے تو تو اس،کا جسم عام جانوروں کی طرح اس کے خلاف ری ایکشن نہیں کرتا۔اگر ارتقاء درست تھا تو اتنے عرصے میں چیتوں میں تبدیلیاں لازمی آنی چاہیے تھی۔

نئے جانور کے حجری ثبوت یا فوسل ایتھوپیا میں دریافت کیے گئے۔اس جانور کے جبڑے میں دانت تھے۔اس جانور کو ارتقاء کے ماہرین یا Evolutionist نے تین سال کی عمر کا ایہ انسانی بچہ اور انسانی ارتقاء میں ایک درمیانی جاندار قرار دے کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ بن مانس کا ڈھانچہ تھا کیونکہ اس کا جبڑا بن مانس کی طرح آگے بڑھا ہوا تھا اور اس کا سر آج کے جدید بن مانس کی طرح تھا اور اس کی تحقیقی عمر پہ بھی کئی شکوک وشبہات ظاہر کیے گئے تھے۔اس طرح یہ جانور بھی انسانی ارتقاء کا ثبوت فراہم نہیں کر سکا۔

کئی سال پہلے ارتقاء کے سائنسدانوں نے دعوی کیا کہ نیبراسکا یا Nebraska انسان کا ایک دانت ملا ہے جو کہ انسان تو نہیں لیکن جدید انسان کے آباؤ اجداد میں شمار ہوتا ہے۔اسی ایک دانت سے انہوں نے یہ اخذ کیا کہ یہ بن مانس سے ملتا جلتا ایک ڈھانچہ ہے۔ یہ جھوٹ تب ظاہر ہوا جب دوسرے سائنسدانوں کو یہ پتہ چلا کہ یہ دانت خنزیر سے مشبہت رکھنے والے ایک جانور کھردا میل یا Peccary کا تھا۔اس طرح ارتقاء کا نظریہ ایک بار پھر ثبوت فراہم کرنے میں ناکام ہوگیا۔

حقیقت میں قدیم حجری حیاتیات یا فوسلز بالکل مختلف نئی جاندار اقسام کو تو ظاہر کرتے ہیں مگر ارتقاء یا ایولوشن میں جانداروں کے درمیان ظاہری کڑیوں کو ثابت نہیں کرتے جو کہ نظریہ ارتقاء کی صحت پھر غلط ثابت قرار دیتا ہے اور جدید جینیٹکس اور علم حجریات یا Paleontology میں ترقی کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ مزید غلط ثابت ہوتا جارہا ہے۔مائیکل ڈینٹن یا Michel Denton کے مطابق

"زمین کے ہر کونے میں ارضیاتی یا جیولاجیکل سرگرمی میں اضافے اوا اب تک نا معلوم کئی عجیب جاندار اقسام کی دریافت کے ساتھ نظریہ ارتقاء میں درمیانی سلسلوں یا Missing links کا تصور اتنا ہی غیر حقیقی ہوتا جا رہا ہے جیسا کہ یہ ڈارون کے دور میں تھا۔ حقیقیت یہ ہے کہ جانداروں کی تمام ارتقائی زنجیر یا Evolutionary tree میں یہ درمیانی ذرائع دریافت نہیں ہو سکے"۔

ارتقاء کے حامیوں نے سیلا کینتھ یا Coelacanth fish کو ارتقاء میں مچھلیوں اور خشکی کے جانداروں کے درمیان ایک درمیانی کڑی قرار دیا جس کی نامکمل ٹانگیں اور ابتدائی پھیپھڑے موجود ہیں اور ارتقاء کے ماہرین نے دعوی کیا تھا کہ یہ مچھلی 350 ملین سال پہلے ٹانگوں،پیروں اور پھیپھڑوں والے ایک جانور میں تبدیل ہو گئی۔یہ نظریہ 1938 میں تب غلط ثابت ہو گیا جب جنوبی افریقہ کے مشرقی ساحل پہ مچھیروں نے ایک زندہ سیلا کینتھ مچھلی پکڑی جب کہ ارتقاء کے حامی یہ کہ چکے تھے کہ یہ مچھلی دوسرے جانوروں میں تبدیل ہو چکی ہے۔بعد میں یہ پتہ چلا کہ کومورو یا Comoro جزائر کے لوگ اس مچھلی کا شکار کئی سال سے کر رہے ہیں۔اس پہ تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ 350 ملین سال پہلی سیلا کینتھ مچھلی جیسی ہے اور اس عرصے میں اس میں کوئی ارتقاء نہیں ہوا۔اس طرح ارتقاء کے حامیوں کا ایک اور جھوٹ پکڑا گیا۔

ان گھوڑوں کے ارتقائی ثبوت کہاں ہیں جن کی ہڈیاں کمزور اور جلد ٹوٹ جانے والی تھی ؟یہ بھی نہیں ملے۔اس طرح فوسل یا حجری ثبوت یہ تو ظاہر کرتے ہیں کہ جانداروں کی ایک قسم پہلے موجود تھی اور پھر اس کی نسل مٹ گئی لیکن یہ کبھی ثابت نہیں کرتی کہ درمیانی اقسام موجود تھی جن سے بعد میں دوسرے جاندار بنے۔

نظریہ ارتقاء دعوی کرتا ہے کہ غیر نامیاتی مرکبات یا Inorganic compounds سے زندگی رکھنے والے نامیاتی مرکبات یا Organic compounds وجود میں آئے جب کہ یہ ناممکن ہے۔آج بھی دنیا کی جدید ترین تجربہ گاہوں میں سائنسدان تمام تر ذرائع کے بعد بھی غیر نامیاتی مرکبات کو زندگی کے لیے لازمی نامیاتی مرکبات میں تبدیل نہیں کر سکے۔

ڈارون نہیں جانتا تھا کہ ایک جاندار کی شخصیت کا تعین ڈی این اے سے ہوتا ہے۔بیرونی ماحول سے مطابقت یا Environmental adaptation کے لیے ڈی این اے کبھی تبدیل نہیں ہوتا جب کہ ارتقاء کے حامی و خدا کے منکر اسے ذبردستی منوانے پہ لگے ہوئے ہیں جس کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں تاکہ اس نظریے کو بنیاد بنا کے خدا کے وجود کا انکار کیا جا سکے۔

تمام پودوں اور درختوں کا ڈی این اے یا وراثتی مادہ قدرتی چناؤ یا نیچرل سلیکشن اور ماحولیاتی مطابقت یا Adaptation to external environments کے ذریعہ ارتقاء کے عمل کے نظریہ کو تباہ کر ڈالتا ہے کیونکہ یہ عوامل کبھی بھی جانداروں کے ڈی این اے میں تبدیلی کا سبب نہیں بنتے جب کہ جانداروں کی نئی اقسام کے وجود میں آنے کے لیے لازمی ہے کہ ان کا ڈی این اے مکمل تبدیل ہوجائے۔جدید جینیٹکس یا علم وراثت کے مطابق ڈارون کے پیش کردہ حیاتیاتی درخت یا Evolutionary tree میں موجود اسی فیصد جانداروں کا ڈی این اے ان جانداروں سے کافی حد تک مختلف ہے جن کو ڈارون نے ان کا جد امجد قرار دیا تھا۔ایک مادہ جاندار کا ماحولیاتی تجربہ اس کے انڈے میں موجود وراثتی کروموسوم کی تعداد کو کبھی تبدیل نہیں کرتا جب کہ نسل اور قسم کی ارتقائی تبدیلی کے لیے یہ لازمی ہے۔

یہ سائنسی حقیقت کہ تمام جانداروں کا وراثتی مادہ یا ڈی این اے اپنے اندر خود بخود پیدا ہونے والی تبدیلیوں یا DNA ERRORS کی خود بخود قدرتی طور پہ مرمت کرتا ہے اور اپنے کوڈ کو تبدیل نہیں ہونے دیتا،یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ نظریہ ارتقاء غلط ہے کیونکہ اگر ارتقاء کے دوران نئی جاندار نسل بنی تھی تو یہ مادہ بالکل تبدیل ہونا چاہیے تھا۔

حر حرکیات یا تھرمو ڈائنامکس کا دوسرا قانون کہتا ہے کہ کائنات ربط سے بے ربطگی کی طرف جاتی ہے جس میں تمام توانائی حتمی طور پہ ایک ناقابل استعمال توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔اس طرح کائنات میں بے ربطگی یا Entropy بڑھتی چلی جاتی ہے۔جب کہ نظریہ ارتقاء کے مطابق زندگی مزید اچھی صورت اختیار کرتی ہے جب کہ حقیقت میں تمام جانداروں کا وراثتی مادہ بتدریج ایک ناقص حالت اختیار کر رہا ہے بجائے اس کے کہ یہ بہتر صورت اختیار کرے جس سے نئی نسل وجود میں آئے۔جانداروں کی نسلیں معدوم ہورہی ہیں اور نئی نسلیں وجود میں نہیں آرہی۔ارتقاء کا نظریہ حر حرکیات یا تھرمو ڈائنامکس کے دوسرے قانون سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا جس سے ارتقاء کا نظریہ غلط قرار پاتا ہے کیونکہ سائنسی اصول ہے کہ ہر وہ نظریہ غلط قرار پاتا ہے جو ایک سائنسی قانون سے مطابقت نہیں رکھتا۔

اس بات کا بھی کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے کہ جاندار اپنے جسم میں وراثتی کروموسوم کی تعداد مکمل تبدیل کر لیتے ہیں جن سے نئی نسل وجود مین آتی ہے۔یہ تصور جدید علم وراثت یا جینیٹکس کے بالکل بر عکس ہے۔کروموسوم کی تعداد سب جانداروں میں قدرت کی

طرف سے مقرر ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک جاندار دوسرے جاندار سے کامیاب جنسی ملاپ نہیں کر سکتا جس سے نئی نسل وجود میں آئے۔ گھوڑے اور گدھے کے جنسی ملاپ سے خچر پیدا ہوتا ہے جو کہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔پھر نئی نسل کیسے وجود میں آئی۔انسان سے ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے اور کتے سے ہمیشہ ایک کتا۔ وراثتی میں جانداروں کی ایک ہی قسم میں تبدیلی تو کر سکتے ہیں جانداروں کی اس قسم سے مختلف ایک نئی قسم پیدا نہیں کر سکتے جیسا کہ کتے سے بکری کی پیدا ہونا ناممکن ہے۔جینیاتی تبدیلیوں سے انسان لمبے،چھوٹے قد،سرخ بال،سیاہ بال،بھوری نیلی آنکھوں والے ہو سکتے ہیں لیکن وہ پھر بھی انسان ہوتے ہیں کیونکہ یہ تبدیلی جینیاتی سطح پہ ہوتی ہے نہ کہ یہ کروموسوم کی تعداد ہی بدل جائے جس سے ایک نئی قسم کا جاندار وجود میں آئے۔جب کہ حقیقت میں تو یہ ہوتا ہے کہ اگر کروموسوم کی یہ تعداد تبدیل ہو جائے تو انسان بچہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔پھر اس کی نسل کیسے آگے بڑھے گی جس سے نئی نسل وجود میں آئے گی۔ جینیٹکس یا علم وراثت کے یہ حقائق بھی نظریہ ارتقاء یا ایوولوشن کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مادے کو توانائی سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور توانائی کو مادے سے جیسا کہ ویکیوم انرجی سے ورچول پارٹیکل کا بننا۔جبکہ حقیقت میں خود ویکیوم انرجی پوری کائنات میں ہر جگہ موجود ہے جو کہ یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک ایسی چیز موجود ہے جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہو سکتی ہے تو خدا ہر جگہ موجود کیوں نہیں ہو سکتا جو کہ اس توانائی کی سب خصوصیات رکھتا ہے۔دوسری بات یہ کہ اس توانائی سے حقیقی ذرات یا Virtual particles بھی بنتے ہیں کو کہ بنتے اور پھر دوبارہ اسی توانائی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا خدا جس کی یہ توانائی مظہر ہے،اگر ایک جسم کا روپ دھار کے عرش پہ مستوی ہو اور پھر دوبارہ اپنی خدائی توانائی میں تبدیل ہو کر پوری کائنات میں موجود ہو جائے تو یہ کونسی ناممکن بات ہے۔یہ سب حقائق خدا کے وجود کو ثابت جب کہ نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایوولوشن کو غلط ثابت کرتے ہیں۔یعنی ایک ایسی قوت اس کائنات میں موجود ہے جو ویکیوم انرجی سے مادے کے ذرات پیدا کر کے کائنات کی تخلیق کر سکتی ہے جب کہ ارتقاء کا نظریہ خود سائنسی حقائق سے ہی غلط قرار پاتا ہے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید

(حصہ دوم)

ڈاکٹر کولن پیٹرسن جو برٹش میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے کے سابقہ سینیئر ماہر حجریات یا فوسل اور کتاب **Evolution** کے مصنف ہیں نے ایک بار لکھا

"میں آپ لوگوں کی اس بات سے متفق ہوں کہ میری کتاب میں ارتقاء کے درمیانی سلسلوں یعنی مسنگ لنک کی کوئی براہ راست وضاحت نہیں ہے، اگر مجھے کسی بھی گواہی کا پتہ ہوتا تو میں اس کا تذکرہ لازمی کرتا۔ ایک بھی ایسا فوسل نہیں ہے جو ارتقاء کے نظریے کی پکی دلیل بن سکے"۔

یہاں ایک بار پھر ارتقاء کا نظریہ غلط ہو رہا ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ارضیات یا جیالوجی کے پروفیسر سٹیفن جے گولڈ نے ایک بار لکھا

"ارتقاء میں درمیانی مرحلوں یا مسنگ لنک کے فوسل ریکارڈ کی عدم موجودگی نظریہ ارتقاء کو پختہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔"

اس طرح ایک بار پھر ارتقاء کا نظریہ غلط قرار پاتا ہے۔ جان ہاپکنز یونیورسٹی کے نظریہ ارتقاء کے ماہر سٹیفن ایم سٹینلے نے کہا

"فوسل ریکارڈ اس بات کی ایک بھی گواہی پیش نہیں کرتا کہ جانداروں کی اقسام یا سپی شیز ایک قسم سے دوسری قسم میں تبدیل ہوتی ہیں"۔

اگر ارتقاء کا عمل ہوتا تو اس وقت ہمیں زمین پہ نامکمل اعضا و خصوصیات والے کئی جانور دکھائی دیتے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ارتقاء کے سائنسدان مارک زرنیکی یا **Mark Czarnecki** کے مطابق پیچیدہ زندگی فوسل یا حجری ریکارڈ میں اچانک سے ملتی ہے اور ارتقاء کے درمیانی مراحل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جن کا ڈارون نے تصور پیش کیا تھا اور یہ بات اس تصور کو مزید تقویت دیتی ہے کہ یہ جاندار براہ راست خدا نے بنائے۔ یہاں تک کہ رچرڈ ڈاکنز بھی یہ کہنے پہ مجبور ہو گئے

"فوسل میں کوئی ارتقاء کا ثبوت نہیں ملتا جس سے ان لوگوں کے خیال کو مزید تقویت ملتی ہے جن کے مطابق جانداروں کو خود خدا نے تخلیق کیا۔"

یونیورسٹی آف پٹزبرگ کے ارتقائی سائنسدان جیفری شوارٹز کے مطابق جانداروں کی نئی اقسام کے کسی بھی طرح سے پیدا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا"۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے سٹیفن جے گولڈ نے کہا

"ہر ماہر حجریات یا فوسل جانتا ہے کہ جانداروں کی اقسام کی اور اقسام میں تبدیل نہیں ہوتی لیکن اس حقیقت کو نظرانداز کیا گیا ہے"۔

جوناتھن گرے کی کتاب **The Forbidden Secret** کے مطابق ایک سادہ ترین سیل یا خلیے میں ایک لاکھ سے زیادہ ڈی این اے کے جڑواں جز و یا **Base pair** ہوتے ہیں جن میں سے کوئی دائیں طرف تو کوئی بائیں جانب ہوتا ہے۔ جب کہ خود بخود

ان کے اس ترتیب میں بننے کا امکان اکیس لاکھ دس ہزار میں سے صرف ایک تھا یا اگر ہم پندرہ ارب سال تک ڈی این اے کے مختلف کئی ملین،ٹریلین اتصال یا Combination کراتے تو ان کے خود بخود ایک ترتیب میں ہونے کا امکان ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین میں سے ایک تھا جب کہ کائنات کی اتنی عمر ہی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ناممکن ہے۔

نظریہ ارتقاء کے ماہرین کے مطابق گرینلنگ ڈیمسل مکھی یا Greenling Damselfy فوسل ریکارڈ میں تین سو ملین پہلے ملتی ہے جب کہ یہ آج بھی موجود ہے اور اس عرصے میں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اگر نیوٹران پروٹان کے سائز کا 1•001 نہ ہوتے تو یہ نیوٹران میں تبدیل ہو جاتے یا سب نیوٹران پروٹان میں تبدیل ہو جاتے جب کہ قدرت نے اتنی عمدگی سے ان کی جسامت رکھی کہ ایسا نہیں ہوتا۔

اگر کشش ثقل یا گریوٹی ذرا بھی زیادہ طاقتور یا کمزور ہوتی تو زمین پہ زندگی ناممکن ہو جاتی۔ اتنا عظیم توازن کس طاقت نے رکھا؟ ظاہر ہے خدا نے۔

ارتقاء کے ماہر ڈاکٹر لیل واٹسن کے مطابق

"ارتقائی سلسلے کے فوسل ریکارڈ نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

بن مانس اور انسان وراثتی یا جنیاتی طور پہ بہت مختلف ہیں۔ انسان کے y کروموسوم میں بن مانس کے y کروموسوم سے دوگنا زیادہ جین ہوتے ہیں اور کروموسوم کی ساخت بھی بالکل مختلف ہے۔ پھر کس طرح انسان بن مانس کے خاندانوں سے پیدا ہوا۔

ڈی این اے یا وراثتی مادہ میں ایک فرد کی زندگی کے بارے میں پائی جانے والی معلومات اتنی پیچیدہ ہیں کہ یہ کسی بھی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ ڈی این اے کا ایک پن جتنا حصہ اتنی معلومات رکھتا ہے کہ اس سے کتابوں کا زمیں سے چاند تک پانچ سو بار پھیل جانے والا بنڈل تیار ہو سکتا ہے۔ یہ سب ارتقاء سے ممکن نہیں تھا۔ یعنی کہ خدا نے اس کو پیدا کیا۔ سائنس کو آج تک کوئی ایسا سائنسی عمل پتہ نہیں جو یہ کر سکے۔

ارتقاء کے مایرین یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ ایک لاکھ سال کے عرصے پہ محیط ایک حجری دور یا Stone age بھی تھا جس میں ایک سے دس میلن افراد زمیں پہ موجود تھے اور فوسل ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے۔ اگر اس زمانے میں صرف دس لاکھ افراد زندہ تھے اور نسل کے ڈبل ہونے کا وقت پچیس سال تھا تو ایک لاکھ سال کے عرصے میں چار ارب لوگ دفن ہوتے۔ اگر ارتقاء کا سلسلہ درست ہے تو دفن کیے گئے لوگوں کے ڈھانچے ایک لاکھ سال بعد موجود ہونے چاہئے جب کہ ایسا نہیں ہے۔

رچرڈ لیونٹن یا Richard lewontin نے اس تلخ حقیقت کے بارے میں ایک بار کہا

"ہم ساخت کی مضحکہ خیزی کے باوجود بھی سائنس کا پہلو لیتے ہیں اور ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم سائنس سے ہمیشہ مادی معنی لیں خواہ وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو کیونکہ کچھ لوگ خدا کا قدم بھی برداشت نہیں کرتے۔

نظریہ ارتقاء کی حمایت میں کوئی ٹھوس سائنسی گواہی نہ ہونے کے بارے میں ایک بار ٹائم میگزین نے لکھا

"ایک صدی کی کوشش کے بعد بھی فوسل ریکارڈ ارتقاء کو ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے بلکہ نئی دریافتوں نے اس نظریے کے بارے میں سائنسدانوں کو شک میں ڈال دیا ہے۔"

دنیا کے مشہور صحافی وفلاسفر میکلوم میگرائیڈ نے ایک بار نظریہ ارتقاء کے بارے میں یہ کہا
" نظریہ ارتقاء پہ جتنا زور دیا جاتا ہے مستقبل میں یہ ایک بہت بڑا مذاق بن جائے گا کہ ایک غیر حقیقی و مشکوک نظریے کو بغیر کسی سائنسی گواہی کے اتنی پختگی سے مانا گیا"۔

2010 میں سائنسی جریدے نیچر نے ایک سائنسی مقالہ Chimpanzee and human y chromosome are remarkably divergent in structure and gene content کے نام سے شائع کیا جو کہ سائنسی علم وراثت یا جینیٹکس کے معزز ماہرین کی کئی ٹیموں کی محنت کا حاصل تھا جو کہ سب کے سب اس بات کے حامی تھے کہ بن مانس ارتقاء کے عمل سے انسان میں تبدیل ہوا۔ اس کے باوجود انہوں نے دیکھا کہ انسان کا y کروموسوم بن مانس کے y کروموسوم سے بہت مختلف ہے۔ انسانی y کروموسوم میں 78 جب کہ بن مانس کے کروموسوم میں 37 میں موجود ہیں اور ان کی ترتیب بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بن مانس سے انسان کا ارتقاء نہیں ہوا کیونکہ کوئی ایسا سائنسی عمل نہیں جو ارتقاء کے باوجود اتنے بڑے فرق کی وضاحت کر سکے۔

یہ سب دلائل ثابت کرتے ہیں کہ کائنات و جانداروں کی ارتقاء کا نظریہ محض ایک غلط وخیالات پہ مبنی ایک سائنسی مفروضہ ہے جس کی کوئی واضح سائنسی دلیل موجود نہیں جو کہ ایک بار پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کائنات اور اس میں پائے جانے والے جاندار کسی ارتقاء سے نہیں بنے بلکہ خدا نے انہیں تخلیق کیا اور یہ سارے دلائل ثابت کرتے ہیں کہ ارتقاء ناممکن اور خدا موجود ہے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید

(حصہ سوم)

اگر زندگی امکانی طور پر یا خود بخود پیدا ہو سکتی ہے تو خدا خود بخود کیوں موجود نہیں ہو سکتا۔

خدا کے منکر دعوی کرتے ہیں کہ کئی بلین سال کے عرصے میں ایک ناممکن خود بخود ممکن ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس عرصے میں خدا کیوں نہیں ممکن ہو سکتا جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر ممکن چیز کے ساتھ خدا نہ صرف ممکن بلکہ حقیقی طور پہ موجود ہے۔

حقیقت میں خدا کا وجود انسان کے وجود سے زیادہ ممکن ہے کیونکہ اگر ارتقاء کے عمل سے انسان وجود میں آسکتا ہے تو خدا کے وجود کے لیے نو بلین اضافی سال موجود ہیں جب کہ زمین کے سورج کی عمر محض 4•6 بلین سال سے موجود ہے لیکن ارتقاء کے حامی ارتقاء کے غلط نظریے میں ہر چیز مان سکتے ہیں لیکن خدا کو نہیں۔ ہم کہتے ہیں ارتقاء ہے ہی غلط جب کہ خدا بغیر کسی ارتقاء کے ہمیشہ سے موجود ہے۔

جدید الحاد و تصور خدا کے منکرین کے قائد مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اور مشہور ملحد جارج والڈ نے لکھا کہ ہر کائنات کی ہر ممکن چیز دو بلین سال کے عرصے میں ہو جاتی ہے جب کہ اگر کائنات کی عمر تیرہ بلین سال ہے اور زمین کے سورج کی عمر چار اعشاریہ چھ بلین سال ہے تو خدا کے پاس اپنے وجود کے لیے نو بلین سال اضافی موجود ہیں لیکن ارتقاء کے ماہرین اس عرصے میں ہر بات کو ممکن ماننے کو تیار ہیں لیکن خدا کو ماننے سے انکاری ہیں اور اس انکار میں وہ بذات خود اپنے ارتقاء کے نظریے کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ اگر اتنے عرصے میں ایک چیز بن سکتی ہے دوسری نہیں تو پھر پہلی چیز کے ارتقاء کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ لیکن ارتقاء کے ماہرین ارتقاء کے بت کی پوجا کرنے میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ یہ حقائق بھول جاتے ہیں۔

یہاں میں ایک بار پھر کہنا چاہوں گا کہ گوریلا، بن مانس میں کروموسوم کی تعداد انسان سے زیادہ ہے اور انسان کا ارتقاء ان سے ثابت ہی نہیں ہوتا۔ سائنسی علم وراثت یا جینیٹکس کے مطابق بھی 24 کروموسوم والے بن مانس کا انسان میں ارتقاء ناممکن ہے کیونکہ اس علم کے مطابق اگر کروموسوم کا ایک جوڑا بھی کم ہو جائے تو نسل آگے ہی نہیں بڑھ سکتی۔ اس لیے ارتقاء کے ماہرین نے عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے یہ جھوٹ گھڑ کیا تھا کہ انسان میں بھی کروموسوم کی تعداد 23 ہے۔ خدا کے منکر سائنسدان تھیور فلس پینٹر نے اس جھوٹ کی قیادت کی اور 1921 میں ایک مضمون میں یہ دعوی کیا کہ انسان میں کروموسوم کی تعداد 24 ہے۔ خدا کے منکر دوسرے سائنسدانوں نے اس کی تصدیق میں مقالے لکھ ڈالے لیکن یہ سائنسی فراڈ اور دغا 1956 میں واضح ہو گیا جب سائنسدانوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ انسان میں بن مانس کے برعکس کروموسوم کی تعداد 23 ہے لیکن ساتھ ہی عوام سے جھوٹ بولا گیا کہ ان سے کروموسوم کی گنتی کرنے میں غلطی ہوئی تھی۔ کیا کروموسوم کی ٹھیک تعداد گننا اتنا مشکل تھا کہ تیس سال تک یہ نہ ہو سکا جب جینیٹکس اس دوران ترقی کر کے کہاں پہنچ چکی تھی اور باقی جانداروں جیسا کہ کتوں تک کے کروموسوم کی تعداد کا تعین بھی ٹھیک طرح سے کیا جا چکا تھا۔ اس دوران خدا کے منکر کمیونسٹوں جیسا کہ ہٹلر، روس کے سٹالن اور چین کے موزے تنگ نے اس بات کی تعلیم پہ پابندی لگا دی کہ جاندار سپی شیز یا اقسام جو خود خدا نے پیدا کیا۔ اس طرح ایک سازش کے تحت نظریہ ارتقاء کو پروان چڑھایا گیا تاکہ اس کو بنیاد بنا کے خدا کا انکار کیا جا سکے۔

18 دسمبر 1912 کو برطانوی جیولاجیکل سوسائٹی نے برٹش میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے تعاون سے ایک انسانی کھوپڑی کی حقیقت بے نقاب کی جسے ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں درمیانی سلسلہ یا مسنگ لنک قرار دیا گیا تھا اور پوری دنیا میں یہ ڈھنڈھورا پیٹا گیا کہ مسنگ لنک مل گئے اور ڈارون کا نظریہ ثابت ہو گیا۔ چالیس سال تک اس کھوپڑی کو انسان کے بن مانس سے پیدا ہونے کا ثبوت بنا کے پیش

کیا گیا اور اس دوران برٹش میوزیم نے جھوٹ پکڑے جانے کے ڈر سے کسی کو یہ کھوپڑی دیکھنے کی اجازت تک نہ دی اور کہا کہ ہمارے پاس گواہی موجود ہے مگر ہم یہ کسی کو نہیں دکھائیں گے اور آپ کو ہماری بات پہ یقین رکھنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کھوپڑی وہ کسی کو دور سے بھی نہیں دکھا سکتے کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے جب کہ دور سے دکھانے سے وہ کھوپڑی کہاں چلی جاتی۔ جب کہ حقیقی وجہ یہ تھی کہ یہ سب جھوٹ تھا اور جھوٹ پکڑے جانے کے ڈر سے یہ کسی کو نہیں دکھائی گئی۔ تیس سال تک یہ کسی کو نہیں دکھائی گئی اور سائنسدانوں نے بھی اس کے دیکھنے پہ اس لیے اصرار نہیں کیا کہ وہ بھی خدا کے منکر اور ڈارون کے نظریے کے قائل تھے یا خود بھی اس جھوٹ کے منصوبے کا حصہ تھے۔

1949 تک ارتقاء کے ماہرین یہ دعوی کرتے رہے اور اب بھی کرتے ہیں کہ انسان بن مانس سے ارتقاء پا کر افریقہ میں پیدا ہوا اور اس تصور کو مزید تقویت دینے کے لیے وہ کھوپڑی کسی کو نہیں دکھائی گئی لیکن آخرکار لوئس لیکی سمیت کچھ نمایاں سائنسدانوں کے اصرار پہ برٹش میوزیم یہ کھوپڑی چالیس سال بعد کسی کو دکھانے پہ قائل ہو گیا۔

ہسٹری چینل کی ایک ڈوکومینٹری کے مطابق لوئس لیکی نے کہا کہ یہ کھوپڑی اتنا بڑا فراڈ تھا کہ وہ پندرہ فٹ دور سے اس کی حقیقت بتا سکتا تھا کیونکہ اس کے جبڑوں اور باقی کھوپڑی کا رنگ مختلف تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ کس طرح کچھ طاقتور دہریے اور ملحد سائنسدان جھوٹی گواہیوں کا سہارہ لے کے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا پرچار کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔

1978 میں امریکی میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے گیرتھ نیلسن نے لکھا

"یہ خیال کہ ایک انسان فوسل یا حجری حیاتیات کے ریکارڈ کا معائنہ کر کے جانداروں کے ارتقاء کا سلسلہ پا لے گا تو یہ خیال محض سوچ کا دھوکا ہے"۔

نیچر سائنس کے ایک لکھاری ہنری گی نے 1999 میں لکھا

"کوئی بھی فوسل اپنی پیدائشی سند کے ساتھ زمین میں دفن نہیں ہے کہ ہم اس سے ارتقاء کا نتیجہ اخذ کر لیں کیونکہ یہ پہلے جانداروں سے نئے جاندار اقسام کے بننے کو ظاہر نہیں کرتا۔ یہ محض انسانی ذہن کی ایک تخلیق ہے۔ ایک فوسل کو لے کر اس سے ارتقاء کو ثابت کرنے کی بات کرنا رات کو سوتے وقت بچوں کو سنائی جانے والی کہانی کی طرح ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں"۔

ارتقاء کے ماہرین ارتقاء کی حمایت میں یہ نظریہ بھی پیش کرتے ہیں کہ بچہ بننے کے عمل کے دوران سب جانوروں کے جنین یا ایمبریو ایک جیسے ہوتے ہیں جو کہ ان کے ایک ہی جاندار سے ارتقاء کو ظاہر کرتے ہیں جب کہ ابتدائی طور پہ وہ مختلف ہوتے ہیں پھر کچھ دنوں کے لیے ایک دوسرے کے مشابہہ ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں جب کہ ڈارون اور ہیکل نے انہیں شروع میں متشابہ قرار دیا تھا۔

1981 میں کینیڈین ماہر حیاتیات یا ماہر بیالوجی سٹیون سکیڈنگ نے کہا کہ جانوروں میں پائے جانے والے غیر مستعمل اعضا یا Vestigial organs ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی کوئی سائنسی گواہی پیش نہیں کرتے کیونکہ حیوانی انسان میں ایسے اعضا ڈھونڈنا مشکل ہے جن کا کوئی استعمال نہ ہو جیسا کہ انسان کا اپنڈکس جس کو پہلے اضافی عضو سمجھا جاتا تھا لیکن اب اس کے جسمانی افعال کا پتہ چلایا جا چکا ہے۔

یہ سب سائنسی حقائق کو دیکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر ارتقاء کی بجائے کوئی اور سائنسی نظریہ ہوتا تو وہ کب کا ناکافی سائنسی گواہیوں کی وجہ سے مسترد ہو چکا ہوتا لیکن سائنس پہ قابض کچھ الحادی ویہودی گروہ یہ حقائق عوام سے چھپا کے رکھتے ہیں تاکہ اس نظریے کا پرچار کر کے عوام میں خدا کے انکار کی تحریک چلائی جا سکے۔ یاد رہے کہ یہ وہی سائنسی طبقہ ہے جو ایڈز کا علاج نہیں آنے دیتا، ڈینگی کے خاتمے کی تحقیقات ناکام کر دیتا ہے، مائیکرو آرگنزم یا خوردبینی جانداروں پر خفیہ تحقیقات کر کے انہیں حیاتیاتی ہتھیار بطور تیار رکھتا ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ سائنس بھی الحاد کی سازشوں اور طاقتور فری میسن الومیناتی اور صیہونی اثر سے آزاد نہیں جو کہ نظری ارتقا یا تھیوری آف ایولوشن جیسے جھوٹ پہ مبنی نظریات کا پرچار کر کے کدا کے انکار اور الحاد کی راہ ہموار کرتے ہیں تاکہ دنیا سے خدا، مذہب اور اخلاقیات کا تصور مٹا کر انسان کو کٹھ پتلی اور آسانی سے کنٹرول کیا جا سکنے والا ایک کھلونا بنایا جا سکے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید

(حصہ چہارم)

جانداروں کی نیٔ اقسام یا سپی شیز پہلے سے موجود جانداروں سے پیدا نہیں ہو رہی جس کا مطلب ہے ارتقا کا عمل نہیں ہو رہا۔ اگر ارتقاء درست ہے تو اب کیوں نہیں ہو رہا اور اب کونسی طاقت نے اسے روکا ہوا ہے۔ ہم صرف نیٔ اقسام دریافت کر رہے ہیں کن کا ہم کو پہلے پتہ نہیں تھا جو کہ ہماری کم علمی کو ظاہر کرتی ہیں جب کہ نیٔ اقسام کا پہلے موجود اقسام سے اس وقت بھی یا پہلے بننے کے عمل کا کوئی ثبوت نہیں۔

پہلے سے موجود اقسام میں ہمیں کوئی نیٔ ساخت یا اعضا نہیں ملتے۔ اگر ارتقاء کا نظریہ درست ہے تو جانداروں میں بننے والے نئے اعضا کہاں ہیں۔ اگر نہیں تو یہ کیوں نہیں بن رہے۔

جانداروں کے فوسل یا حجری ریکارڈ زمین میں اس ترتیب میں موجود نہیں ہیں جس طرح سائنسی کتابوں میں دکھائے جاتے ہیں حالانکہ اگر زندگی کی ترتیب وہی تھی جو ارتقاء کے حامی بیان کرتے ہیں تو فوسل بھی زمین میں عمر اور عرصے کے لحاظ سے اسی طرح

موجود ہونے چاہئے تھے لیکن یہ ریکارڈ ارتقاء کے نظریے سے ربط نہیں رکھتا جو کہ ارتقاء کو پھر غلط ثابت کرتا ہے بلکہ یہ ارتقا کی بیان کی جانے والی ترتیب سے کافی مختلف ترتیب میں موجود ہیں اور ارتقاء کے درمیانی سلسلے کے کوئی فوسل ریکارڈ موجود نہیں۔

ایسے فوسل بھی ملے ہیں جو زمین کی ایک نہیں کئی تہوں میں موجود ہیں جب کہ ارتقاء کے مطابق ان کو پرانی تہوں میں نہیں بلکہ وجود میں آنے کے بعد نئی تہوں میں ہونا چاہئے تھا۔ مطلب کہ جانداروں کا فوسل ریکارڈ ارتقائی سلسلے یا Evolutionary tree کے برعکس ہے۔

پرانے ترین فوسل ریکارڈ میں بھی جانداروں کی انتہائی قدیم اقسام دریافت ہوئی ہیں جب کہ ارتقاء کے نظریے کے مطابق پہلے صرف سادہ جاندار موجود تھے اور ان سے پیچیدہ جاندار بنے۔

لختہ دار بحری جاندار یا Trilobite بھی قدیم تہوں میں پائے گئے جب کہ ارتقاء کے مطابق یہ محض 620 ملین سال پہلے بننا شروع ہوئے۔

وجہ و اثر یا علت و معلول یا Cause and Effect کے مطابق ہر چیز کی وجہ ہوتی ہے اور وجہ یا علت وجہ کے اثر یا معلول سے بڑی ہوتی ہے جس کا مطلب ہے کہ سادہ یا چھوٹی چیز بیرونی یا خدائی مداخلت کے بغیر اپنے سے بڑی چیز نہیں بنا سکتی۔ آپ اپنی ذہانت کو ایک دوسری اور اپنے سے بڑی ذہانت کی مدد کے بغیر نہیں بڑھا سکتے۔

حر حرکیات یا تھرمو ڈائنامکس کے پہلے قانون کے مطابق کائنات اپنے وجود کی وجہ خود نہیں ہو سکتی۔ اس کے مطابق کائنات جو ہے اس سے کم نہیں ہو سکتی اور یہ موجودہ اور مکمل حالت میں ہی وجود میں آئی یا بنائی گئی جس کا مطلب ہے اسے کسی ہستی نے تخلیق کیا کیونکہ اس کے مطابق توانائی کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی فنا۔ کائنات کا کوئی پہلو توانائی سے خالی نہیں لہٰذا یہ قانون کائنات پہ بھی لاگو ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ارتقائی نظریے کے مطابق جس میں مادے نے توانائی حاصل کی اور یہ خود بخود زندگی کے مرکبات میں تبدیل ہو گیا کا جواب یہ ہے کہ محض مادہ و توانائی کسی کام کا نہیں جب تک ایک عظیم ذہانت یا اللہ اس سے مرکبات پیدا نہ کرائے۔ اس عظیم ذہانت کی غیر موجودگی میں خدائی ذہانت کے بغیر توانائی الٹا اس نظام کی تباہی کا سبب بنتی۔

بگ بینگ کا نظریہ بھی بلکل غیر منطقی ہے۔ کسی بھی دھماکے کا نتیجہ ہمیشہ ایک ترتیب سے پھیلنے والی چیز نہیں ہوتی جب کہ کائنات نہ صرف پھیل رہی ہے بلکہ ایک خاص ترتیب سے ایسا ہو رہا ہے۔ اب تک ہونے والا یہ پھیلاؤ کیوں ہو رہا ہے جب کہ گریویٹی یا کشش ثقل ایسا نہ ہونے دیتی۔ واضح جواب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ دھماکے تباہی و بے ترتیبی پھیلاتے ہیں نہ کہ ایک منظم کائنات۔

فطرت میں ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے جو ستاروں کو پیدا کر کے دکھائے۔ گیس لاء کے مطابق پھیلتی ہوئی گیس کا بیرونی دباؤ اس کو اندر کھینچنے اور اسے مجتمع اور گول شکل میں رکھنے والی گریویٹی یا کشش ثقل سے زیادہ ہوتا ہے جب کہ ستارے گول شکل میں کہکشاؤں میں ہائیڈروجن پہ مشتمل ہیں اور اسی شکل میں موجود ہیں جب کہ گیس لاء کے مطابق اس گیس کو منتشر ہو جانا چاہیے تھا۔ کس قوت نے اس گیس کو عمل ائتلاف یا Fusion reaction کے لیے ستاروں میں جمع کر رکھا ہے جس سے ان ستاروں میں ہائیڈروجن ایٹم مل کے ہیلیم اور توانائی کی ناقابل بیان مقدار بناتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ قوت اللہ تعالیٰ ہے جو یہ کرا رہی ہے۔

نیچرل سلیکشن کے مطابق بہترین خصوصیات والے جاندار اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں جب کہ ارتقاء کے دوسرے پہلو کے مطابق اعضاء وجسمانی خصوصیات آہستہ آہستہ وجود میں آئی۔ان اعضا کے مکمل ہونے سے پہلے ان جانداروں کی نسل کیسے آگے بڑھی جب کہ یہ مکمل ارتقاء سے پہلے نیچرل سلیکشن یا قدرتی چناؤ کی بہترین خصوصیات بھی نہیں رکھتے تھے حالانکہ زندگی کی نامکمل خصوصیات میں ان کی نسل کو کم ہوجانا چاہیے تھا۔اب یہاں نظریہ ارتقاء کا ایک پہلو دوسرے پہلو کی نفی کررہا ہے جو کہ اس نظریے کو پھر غلط ثابت کرتا ہے۔

اگر زندگی سمندروں سے زمین پہ آئی تو رینگنے والے جانوروں یا Reptiles کے چانے یا سکیلیز کا اڑنے والے جانوروں کے پروں میں تبدیل ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ان رینگنے والے جانوروں کے پھیپھڑے پرندوں کے پھیپھڑوں سے بہت مختلف ہیں اور یہ ارتقاء کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کرتے۔

گھر میں استعمال ہونے والی سادہ کنگھی ارتقاء کے عمل سے وجود میں نہیں آسکتی نہ ہی کسی ملحد کی بہن خود بخود حاملہ ہو سکتی ہے۔اگر ہو جائے تو سوال کرتا ہے کہ یہ بچہ کس کا ہے تو پھر کائنات پہ سوال کیوں نہیں کہ یہ کائنات کس نے بنائی۔

اگر ہم تین پتھر پانی میں بے ترتیب بہتے ہوئے دیکھیں اور دوسرے تین پتھر کسی دیوار میں ترتیب میں جڑے دیکھیں تو لازمی کسی جوڑنے والے کا خیال آتا ہے۔اتنی بڑی کائنات ایسے بس امکان پہ خود بخود کیسے بن گئ۔

انسانی جسم خدائی تخلیق کی بہترین مثال ہے۔اگر خون جمانے والے اجزا زیادہ ہو جائیں تو خون دماغ ودک میں بننے سے فالج اور دل کا دورہ ہو جاتا ہے جب کہ قدرت نے جسم میں ان کا توازن رکھا ہے۔سپرم کو ماں کے پیٹ کے اندر تک لے جانے والے اس کو حرکت دینے والے سیلیا بالکل ایک شافٹ والی موٹر کی طرح ہوتے ہیں۔ہمارا جسم اپنی شناخت برقرار رکھتا ہے اور کسی بھی بیرونی بافت یا ٹشو کے اپنے اندر داخلے کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔یہ سارے حقائق تخلیق میں ایک عظیم ذہانت یا اللہ تعالی کے وجود کی دلیل ہیں۔ان کا حادثاتی ہونا ناممکن ہے۔ارتقاء کے نامور سائنسدان اور یونیورسٹی آف پٹز برگ کے ماہر بشریات یا Anthropology جیفری شوارٹز کے مطابقت نئ سپی شیز کا کسی بھی طرح سے ارتقاء سے بننا مشاہدہ نہیں کیا گیا۔

زندگی کی ابتداء کے حوالے سے نامور سائنسدان لیزلی اوگرل نے جب یہ دیکھا کہ نہ لحمیات یا پروٹین اور نہ ہی نیوکلیائی ترشے یا نیوکلیئک ایسڈ ایک دوسرے کے بغیر پیدا نہیں ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں ایک ہی وقت میں بیک وقت موجود تھے،یہ خود بخود نہیں بنے بلکہ ان کو کسی نے بنایا۔یي دیکھ کے اس نے کہا کہ زندگی کبھی بھی کیمیاوی طریقے سے پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔چونکہ وہ ارتقاء کا پکا حامی تھا تو اس نے اس کا دوسرا نظریہ یہ پیش کیا کہ لحمیات یا پروٹین بنانے والا آر این اے پہلت بنا لیکن پھر وہ یي اعتراف کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ آر این اے کے بننے کے عوامل کا حقیقی طریقے ابھی تک واضح نہیں۔اس طرح خود بخود حیاتیاتی مادوں کے بننے کا نظریہ ناکام ہو جاتا ہے۔

ملر کا وہ تجربہ جس میں اس نے ایک ٹیسٹ ٹیوب میں ہائیڈروجن،آکسیجن،نائٹروجن کو ملا کر انہیں ایک برقی یا الیکٹرک جھٹکہ دیا جس میں دیکھا گیا کہ پروٹین کے بنیادی اجزا یا امائنو ایسڈ بن گئے،یہ تجربہ بھی بعد میں زندگی شروع کرنے والے کیمیاوی مادوں اور اس سے کسی سیل یا خلیے کے پیدا ہونے کا ثبوت فراہم نہیں کر سکا۔ارتقاء کا تصور ایک بار پھر ناکام ہو گیا۔

یہ دانشمندانہ سچ ہے کہ جاندار سپی شیز نسل در نسل قیام پذیر رہتی ہیں اور ان میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی جو نئی نسل کے بننے کا سبب ہو۔

ماہرین بشریات یا Anthropologist نے تجربات یا فوسل ریکارڈ اور ڈی این اے سے ارتقائی سلسلے کی وضاحت کی کوشش کی لیکن یہ بھی فوسل ریکارڈ کے خلاف جاتی ہے۔یہاں تک کہ ایک اور لکھاری یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ ڈی این اے معلومات کی تحقیق کے بعد بھی ارتقا کا عمل ثابت نہیں ہوا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ فوسل رکھنے والے جاندار بھی کسی ہستی کی تخلیق ہیں۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے منکروں کا سربراہ رچرڈ ڈاکنز بھی یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس خدا کے وجود کو جھٹلانے کا کوئی ثبوت نہ لہذا مذہب کے ماننے والے اسے مانتے ہیں۔سائنس کو اللہ کے وجود کی دلیل بننے سے کس حد تک روکا جاتا ہے اس کا اندازہ کنساس یونیورسٹی کے شعبہ حیاتیات یا بیالوجی کے ایک پروفیسر کے اس بیان سے لگایا جاتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اگر تمام سائنسی معلومات بھی ایک عظیم تخلیق کار خدا کی طرف اشارہ کرے تو پھر لگی یہ مفروضہ سائنس سے نکالا جائے گا کیونکہ یہ سائنسی فطرت سے میل نہیں کھاتا۔

ارتقاء کے اکثر حامی جیسا کہ سٹیفن جے گولڈ،ہارورڈ کے ایڈورڈ ولسن ،انگلینڈ کے رچرڈ ڈاکنز کارنل کے ولیل پروائن سب اللہ تعالیٰ کے منکر تھے۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے انکار کی راہ ہموار کرنے کے کے لیے اس نظریے کو اتنی پابندی سے پکڑے ہوئے ہیں کہ مشہور سائنسی فلاسفر وارتقاء کے حامی مائیکل ریوس Ruse نے کہا تھا کہ ہمارا مذہب نظریہ ارتقاء ہے۔اس نے مزید کہا کہ وہ اشیاء کی خدائی کی بجائے مادی وضاحت کرنے پہ مجبور ہیں خواہ وہ کتنی ہی بدھی دلیل کیوں نہ ہوں۔ارتقاء کا ایک حامی ارتقاء کے دوسرے حامی کی ایک کتاب کا جائزہ لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم ارتقاء میں درمیانی سلسلوں یا مسنگ لنک کو شناخت نہیں کر سکتے اور انسان کس طرح بن مانس سے وجود میں آئے یہ محض انسانی سوچ کی تخلیق ہے اور ہم صرف ان نظریات پڑھاتے ہیں جو ہمارے ہاں رائج ہیں اور حقایق سے روگردانی کرتے ہیں۔

یہ سب حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ نظریہ ارتقاء محض غیر حقیقی تحقیقات اور مفروضوں پہ مبنی ہے اور اسے سائنسدانوں اور یہود کے ایک گروہ نے ایک خاص منصوبہ بندی کے ساتھ زندہ رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی بنیاد پہ اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جا سکے۔اس سارے ڈرامے کے پس منظر میں وہ یہودی فری میسن اور الومیناتی ہیں جن کا مقصد دنیا بھر کے مذاہب کو تباہ کر کے الحاد کی راہ ہموار کرنا ہے تاکہ ایک منکر و ملحد معاشرے کو مرضی سے اپنی گرفت میں کیا جا سکے بجائے اس کے ایسے نظریاتی و مذہبی معاشرہ کے جو ان کے خلاف مزاحمت کرے۔اس الحاد کو تقویت دینے کے لیے نام نہاد سائنسدان،دانشور،فلاسفر،ماہرین نفسیات میدان میں لائے گئے۔کارل مارکس کا اشتراکیت و سیکولرزم کا نظریہ محض دنیا کی دولت کو عوام سے چھین کے ایک خفیہ یہودی ہاتھ کے ہاتھ میں دینا تھا۔ہاں جی وہی نظام جس کی ترویج کے لیے دیسی سرخے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں لٹریچر اور سوشل میڈیا ہر سطح پہ زور شور سے کام کر رہے ہیں اور اس میں مذہب و ملک کی سلامتی کا جنازہ نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور بہانہ یہ ہے کہ یہ مزدور طبقے کی فلاح کا نظام معیشت ہے۔سگمنڈ فرائیڈ جیسے یہودی فری میسن کے جنسی تصورات پہ مبنی خیالات کا پرچار ایک مدرپدر آزاد معاشرے کی تشکیل کے لیے تھا تاکہ انسان کو حیوانیت کی تہہ میں گرا کے اس کی سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے اسے آسانی سے کنٹرول کیا جا سکے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید
(حصہ پنجم)

اکتوبر 2006 میں دنیا کے کئی سائنسدانوں نے نظریہ ارتقاء پر اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ ڈارون کے نیچرل سلیکشن یا قدرتی چناؤ کے زندگی کی پیچیدگی کی وضاحت پر شک کا اظہار کرتے ہیں اور اس تصور کی واضح سائنسی دلائل سے محتاط تحقیقات یعنی چاہیے۔

یہ سب لوگ پی ایچ ڈی یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھنے والے حضرات تھے جب کہ ارتقاء کے حامی ان کو سکول کے استاد اور سائنس کے طالبعلم کہ کر ان کا خیال مسترد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان میں کچھ سائنسدان امریکہ وروسی نیشنل اکیڈمی آف سائنس سے بھی تھے جو کہ ایہ معزز سائنسی ادارہ ہے۔ان سائنسدانوں میں 154 بیالوجی یا حیاتیات،76 کیمیا یا کیمسٹری،63 طبیعیات یا فزکس کے تھے۔ ان کے علاوہ اور افراد وہ تھے جن کا تعلق ریاضی،علم الطب یا میڈیسن سے تھا۔ان میں سے کئی دنیا کی نامور یونیورسٹیوں جیسا کہ ایم آئی ٹی،کیمبرج،یو سی ایل اے،یو سی برکلے،پرنسٹن،یونیورسٹی آف پینی سلوانیا،اوہیو سٹیٹ یونیورسٹی،یونیورسٹی آف جارجیا اور یونیورسٹی آف واشنگٹن میں پروفیسر اور سائنسی محقق یا ریسرچر تھے۔ان سب حضرات کے ارتقاء پر شک کے اظہار نے ارتقاء کے حامیوں کا یہ تصور مسترد کر دیا جس کے مطابق سب سائنسدان نظریہ ارتقاء جے حامی ہیں۔

ان حضرات میں سے ایک ڈاکٹر ڈیوڈ برلنسکی نے جو کہ ڈسکوری انسٹیٹوٹ سنٹر فار سائنس اینڈ کلچر کے ماہر ریاضی اور سائنسی فلاسفر تھےنے کہا کہ نظریہ ارتقاء سائنسی سوچ کے حوالے سے محض ایک سفید ہاتھی ہے اور یہ مکمل بیکار اور وہم پہ مبنی تصور ہے۔

اس نظریے پہ شک کا اظہار کرنے والوں میں یو ایس نیشنل اکیڈمی آف سائنس کے فلپ سکل،امریکن ایسوسی ایشن فار دی ایڈوانسمنٹ آف سائنس کے فیلو لائل جنسن،ارتقائی ماہر حیاتیات یا بیالوجی اور نصابی کتب کے مصنف سٹینلے سالتھے،سمتھسونین انسٹیٹوٹ کے ارتقائی ماہر حیاتیات یا بیالوجی اور نیشنل انسٹیٹوٹ آف ہیلتھ نیشنل سنٹر فار بائیو ٹیکنولوجی انفارمیشن رچرڈ وان سٹرن برگ،حیاتیات یا بیالوجی کے حوالے سے دنیا کے قدیم ترین سائنسی جریدے یا جرنل Rivista di Biologia کے ایڈیٹر گسپی سرمونتی اور رشین اکیڈمی آف نیچرل سائنس کے ماہر علم جنین یا ایمبریالوجی لیو بیلو سو تھے۔اب آپ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ نظریہ ارتقاء پہ شک کا اظہار کرنے والے لوگ سائنس کے طالبعلم اور سکول کے استاد تھے یا دنیا کے مشہور سائنسی اداروں کے ریسرچر اور محقق۔لیکن ارتقا کے حامی ان کو مذہب کا حامی کہ کے ان کے نظریات کی تردید کی ارتقا کا کوئی پکا ثبوت دیے بغیر تردید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نیوز ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق چودہ سال پہلے بھی زندگی پہ تحقیقات کرنے والے سات سو سائنسدان موجود تھے جنھوں نے نظریہ ارتقاء کو مسترد کر دیا تھا۔1999 میں ڈاکٹر سٹیفن ٹیلر نے لکھا

"کری ایشن ریسرچ سوسائٹی میں 650 سائنسدان رکن ہیں جو سب کے سب سائنس کے کسی نہ کسی میدان میں ماسٹر یا اس سے اوپر کی ڈگری رکھتے ہیں۔ایک حالیہ مضمون میں ڈاکٹر رسل ہمفائریز جو کہساندیہ نیشنل لیبارٹریز نیو میکسیکو میں ماہر طبعیات یا فزکس ہیں،نے اندازہ لگایا کہ صرف امریکہ میں دس ہزار سائنسدان ایسے ہیں جو کہ کائنات کی چھ دن میں تخلیق کے نظریے پہ یقین رکھتے ہیں۔"

اگر ہم سے کہا جائے کہ ایک ایسے جدید حقیقی سائنسدان کا نام بتائیں جو زندگی کی خدائی تخلیق پہ یقین رکھتا ہو تو ہم سر ہنری مورس سے آغاز کر سکتے ہیں اگرچہ ارتقا کے حامی صرف اس لیے اسے سائنسدان ماننے سے انکار کردیں گے کیونکہ وہ زندگی کی خدائی تخلیق کا حامی ہے کیونکہ ارتقاء کے حامیوں کے نزدیک ہر وہ سائنسدان جو ارتقاء کے نظریے پہ یقین نہیں رکھتا،سائنسدان نہیں ہو سکتا،لہذا ارتقاء کے حامی ارتقاء کی تردید کرنے والے سائنسدانوں جیسا کہ ہنری مورس،جان مورس،لیری وارڈی مین،سٹیو آسٹن اور ڈوانے

گش کا مقام محض اس لئے کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ ارتقاء کے نظریے کے مخالف ہیں۔اس طرح ارتقاء کے حامی مائیکل بیہی، اینڈریو سنیلنگ، ڈونلڈ ڈی ینگ اور کرت وائز کی تصدیق ارتقاء کے مستند سائنسی ثبوت دیے بغیر اس لئے نہیں کرتے کیوں کہ وہ زندگی کی خدائی تخلیق کے حامی ہیں اور دوسری طرف دعوی یہ کرتے ہیں کہ دنیا کے سب سائنسدان نظریہ ارتقاء کے حامی ہیں۔
نظریہ ارتقاء میں اتنی سائنسی خامیاں ہیں کہ یہ کبھی سائنسی اصول یا حقیقت یا قانون بن ہی نہیں سکتا۔یہی وجہ ہے کہ اسے ارتقا کا اصول یا قانون لینے کی بجائے ایک نظریے کے نام سے پکارا جاتا ہے اور ایک سائنسی نظریہ وہ ہوتا ہے جو مطلق سائنسی حقیقت نہ ہو اور اس میں غلطی کی گنجائش موجود ہو۔بذات خود چارلس ڈارون نے 1861ء میں اپنے دوست تھامس تھومٹن کو ایک خط لکھا جس میں اس نے کہا کہ میں نیچرل سلیکشن یا قدرتی چناؤ کے نظریے پہ یقین نہیں رکھتا جو کہ آپ استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی میں نظریہ ارتقاء پہ یقین رکھتا ہوں کیونکہ مجھے اس کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ملا۔میں اس پر یقین صرف اس لیے کرتا ہوں کہ کہ یہ علم جنین یا ایمبریالوجی، علم الاشکال یا مارفالوجی کی تقسیم بندی میں یہ میری مدد کرتا ہے۔اس نے خود کہا کہ اس ارتقائی سلسلے میں نہ ملنے والے سائنسی حقائق یا مسنگ لنک ہیں جن کے ملے بغیر یہ نظریہ سچ نہیں ہو سکتا۔یہ حقائق آج تک نہیں ملے۔
آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کا ارتقا انسان جیسے چار حیوانوں یا Homonites سے ہوا۔پہلی Lucy ہے جس کا ہمسفر Dosnopytichest تھا جو تین ملین سے پانچ لاکھ سال پہلے مرا برف کے زمانے میں، پھر Homosepians آتا جو پانچ لاکھ سال پہلے مرا۔پھر نینڈر تھال انسان یا Neanderthals آیا جو ایک لاکھ سال یا چالیس ہزار سال پہلے مرا، پھر کرومیگنن Cromagnon آئے۔1971 میں پی پی گراس جو کہ پیرس کی سوجیرین یا Sojerion یونیورسٹی میں ارتقائی تحقیقات کے صدر تھے نے کہا
"یہ مضحکہ خیز ہے، ہم صرف فوسل ریکارڈ کی بنیاد پہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون تھے۔"۔
وٹامن سی پہ تحقیق کر کے نوبل پرائز حاصل کرنے والے سر البرٹ جارج نے ایک کتاب لکھی جو کہ ڈارون کے نظریے کے خلاف ہے۔کتاب کا نام The Can,t Ape And Man ہے۔سر فریڈ ہوائل یا Hoyle نے نظریہ ارتقاء کے خلاف کئی کتابیں لکھی، روپرٹ البرٹ نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے خلاف اپنا ایک الگ نظریہ پیش کیا، سر فرانک سالوسبری Salosbury جو ایک ماہر حیاتیات یا بیالوجی ہیں نے کہا کہ ڈارون کے نظریے پہ یقین رکھنا غیر منطقی ہے، سر وائٹ نیٹ نے ڈارون کے نظریے کے خلاف ایک کتاب لکھی، وہ خود بھی ماہر حیاتیات یا بیالوجی تھے۔اس طرح کی مثالیں ہیں لیکن آج بھی یہ نظریہ مکتب یعنی سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ کیونکہ دنیا بھر کا میڈیا ان یہودی الومیناتی کے ہاتھ میں ہے جو خدائی تخلیق کا نظریہ قبول نہیں کر سکتے ورنہ ارتقاء کا کوئی مستند سائنسی ثبوت نہیں۔جانداروں میں نچلے درجے پر امیبا پیری میشیا Paremishia میں تبدیل ہو سکتا ہے لیکن اس کے بعد کسی بھی۔جاندار میں کوئی ثبوت نہیں اور تمام سائنسی تحقیقات ارتقاء کے مستند سائنسی ثبوت لانے میں ناکام رہی ہیں۔اس طرح اگر آپ انسان کے بن مانس سے بننے کا سائنسی امکان یا Probability شمار کریں تو یہ صفر آتی ہے اور یہ ناممکن ہے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید

(حصہ ششم،چھٹا حصہ)

جانوروں کا نسل در نسل مختلف جسامت اور قد کا ہو جانا ارتقا کو ظاہر نہیں کرتا اور نہ ہی پرندوں کا رنگ،تمام انسان ایک جیسے نظر نہیں آتے۔یہ ارتقا کی وجہ سے نہیں ہے۔البتہ کچھ تبدیلیاں ماحولیاتی اثر کا نتیجہ ہوتی ہیں مثلا افریقہ میں رہنے والے لوگوں کی رنگت کا سیاہ ہونا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ان کے اباء و اجداد بن مانس کی نسل سے تھے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ خط استوا۔۔۔ Equator....کے قریب رہتے ہیں جہاں سورج کی روشنی زیادہ پڑتی ہے،اگر ارتقاء کا نظریہ درست ہے تو اب یہ ارتقاء کیوں نہیں

ہو رہا، گھوڑے کیوں بہینسوں سے جنسی اختلاط نہیں کر سکتے تا کہ کوئی نئی نسل کا جانور وجور میں آئے، بندر کیوں مینڈک سے جنسی عمل کیوں نہیں کر کے نئی نسل پیدا کر لیتے اگر ہم سب ایک ہی سیل یا خلیے سے وجود میں آئے ہیں۔

ارتقاء کے نظریے کی حمایت میں جن فوسلز یا حجری حیاتیات کی دلیل دی جاتی ہے، اس کا عمل بہت نایاب ہے، تمام جاندار فوسلز میں تبدیل نہیں ہوتے اور اس طرح یہ فوسل ریکارڈ ماضی کے تمام جانداروں کی تفصیل فراہم نہیں کر سکتا۔ اگر ہمیں کئی ارب فوسل یا حجری حیاتیات بھی مل جائیں تو بھی آج کئی کھرب جاندار زمین پہ موجود ہیں۔ اور اس طرح ارتقاء میں ان سب اقسام کے درمیانی سلسلے یا مسنگ لنک فراہم کرنے کے لیے ہمیں اتنے ہی فوسل چاہیے جو کہ نہیں ہیں۔ ارتقاء کے حامی اکثر دعوی کرتے رہتے ہیں ان کے ملنے کا لیکن اگر ان کی تعداد کا ماضی میں زندہ رہنے والے جانداروں کی تعداد سے موازنہ کیا جائے تو یہ تعداد بہت کم بنتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ درمیانی سلسلے یا مسنگ لنک کئی سو کھرب تھے جو حجری حیاتیات میں تبدیل نہیں ہو سکے۔

فیل ماہی مچھلی یا حوتان جسے وہیل مچھلی کہتے ہیں انگریزی میں، اس کے بارے میں ارتقا کے حامی کہتے ہیں کہ وہ کتے کی طرح کے ایک بہت بڑے جانور سے وجود میں آئی جسے Andrewsarchus mongoliensis کہا جاتا ہے لیکن وہ اس جانور کی کھوپڑی کے سوا آج تک اس کا کوئی حصہ دریافت نہیں کر سکے۔ اور صرف ایک کھوپڑی کی بنیاد پہ یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ یہ کھوپڑی واقعی اسی جانور کی ہے جس سے حوتان یا وہیل مچھلی کی نسل وجود مین آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈھانچوں کے فوسل یا حجری ثبوت ملنا بہت نایاب ہے۔

ہمارے پاس سب جانداروں کی نسل کے کسی دوسرے جاندار سے وجود میں آنے کا ثبوت فراہم کرنے والے فوسل نہیں ہیں۔ مکمل ڈھانچہ ملنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور تمام موجود جانداروں کے سابقہ ڈھانچے ملنا تقریبا نا ممکن۔ فوسل ریکارڈ موجود سپی شیز یا جانداروں کی اقسام کے ایک فیصد کا بھی مشکل سے ثبوت فراہم کرتے ہیں اور ان سے ان جانوروں کا کوئی اور نسل سے آنے کا ثبوت اور بھی مشکل ہے۔ ان فوسل میں وقفے یا گیپ کے بغیر یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کہاں جانداروں کی ایک نسل ختم اور دوسری شروع ہوئی۔ ان فوسل یا حجری حیاتیات کی بنیاد پہ یہ کہنا غیر منطقی ہے کہ یہ فوسل جانداروں کی نئی نسل کا بننا ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ یہ ایک ہی نسل کے اندر واقع ہونے والی قدرتی جسمانی تبدیلیوں کا اظہار بھی ہو سکتے ہیں۔

ارتقاء کے حامی جن ماحولیاتی اثرات۔۔۔Adaptation to the environment......کا ثبوت جانداروں کی نئی قسم کے بننے میں فراہم کرتے ہیں وہ صرف جین کے نیوکلیائی ترشوں یعنی نیوکلیوٹائڈز پہ اثر انداز ہوتا ہے جس سے جانوروں کی جسامت، شکل، رنگ مختلف ہو سکتا ہے ایک ہی نسل کے اندر لیکن اس سے نئے اعضاء کا بننا ناممکن ہے۔ جانداروں کی نئی قسم یا اور سپی شیز کے وجود میں آنے کے لئے لازمی ہے کہ کروموسوم کی تعداد ہی بدل جائے جب کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور کروموسوم کی تعداد بدلنے سے وہ جاندار اپنی نسل ہی آگے نہیں بڑھا سکتا تو پھر ایک جاندار سے دوسری نسل یا سپی شیز کا جاندار بننا ناممکن ٹھہراتا ہے۔

ارتقاء کے نظریے میں آسمانی بجلی اور سمندروں اور فضائی ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن کے ملنے سے جس زندگی رکھنے والے محلول کے خود بخود وجود میں آنے کا نظریہ بیان کیا جاتا ہے۔۔۔Primordial Soup Theory.....، وہ نظریہ کہتا ہے کہ وراثتی مادے ڈی این اے کے بنیادی اجزاء یا نیوکلیوٹائڈ شروع سے ہی مکمل حالت میں تھے۔ اگر یہ درست حالت میں تھا بھی سہی تو ایک اور سوال ہے۔ وہ یہ کہ اس مادے میں زندگی کنٹرول کرنے کی ساری معلومات خود بخود کہاں سے آگئی اور دوسری بات یہ کہ

جس جاندار میں یہ مادہ تھا اس میں اس مادے کی ذرا تبدیلی بھی اس کی بقا کو ختم کر دیتی۔ دوسری بات یہ کہ اس سے بننے والے خلیے یا سیل کس طرح خود بخود اپنی خاص شکل لے کے ایک کثیر الخلوی ------Multicellular Organisms.... میں تبدیل ہوگئے کہ ہر خلیہ ہر عضو کے لیے ایک خاص شکل لیتا وہ عضو بناتا گیا۔

وراثتی مادے یا ڈی این اے میں تبدیلیاں----Mutations.....بہت کم ہوتی ہیں اور مفید تبدیلیاں تو اور بھی کم۔ لیکن ان تبدیلیوں میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ان میں نیا ڈی این اے مل جائے اور نیا کروموسوم بن کر نئی نسل بنائے۔ بلکہ الٹا اس میں کمی یا زیادتی سے یہ مزید آگے بڑھنے میں ناکام ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پہ اگر ایسا ہو بھی گیا وہ جاندار اپنی قسم کے دوسرے جانداروں سے کبھی بھی ملاپ کرکے نیا جاندار نہ بنا سکتا۔

امکانیات یا Probability کے قانون کے مطابق ہر محدود چیز کا ایک آغاز، انجام اور وجہ ہے۔ کائنات کا خود بخود بننا کسی وجہ کے بغیر ناممکن ہے اگر ہم یہ تصور کرلیں کہ فزکس یا طبیعیات کے قوانین حتمی ہیں۔

یہاں ایک اور بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ فوسل کی عمر معلوم کرنے کے سائنسی طریقے ------- Dating method...... مکمل طور پہ درست نہیں ہیں۔ درختوں کے تنے کے اندرونی حلقے اس لیے قابل اعتبار نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے وراثتی مادہ یا ڈی این اے کی تبدیلیوں یا Mutations نے ان کے بڑھنے کی صلاحیت کم کردی ہو۔ ہمیں یہ بھی ٹھیک نہیں پتہ کہ معدوم ہوجانے والی جاندار اقسام یا سپی شیز کیسی تھی۔ ہمیں ان کی خوراک اور رہن سہن کا صرف ایک تصور ہو سکتا ہے۔ آج تک کسی نے ڈائینو سار نہیں پالا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کتنی عمر میں جواب ہوتا اور نشو ونما پاتا۔

جہاں تک کیمیاوی طریقوں سے فوسل کی عمر معلوم کرنے کی بات ہے، وہ سائنسدان اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ بشرطیکہ کسی دم دار ستارے یا آگ نے اس جاندار اور زمین کی کیمیاوی ترکیب کو ماضی میں متاثر نہ کیا ہو۔ فوسل کی عمر معلوم کرنے کے ارضیاتی یا جیولاجیکل طریقے دریاؤں کے گہرا ہونے پہ یہ فرض کرکے انحصار کرتے ہیں کہ ان کے گہرا ہونے کی شرح ہمیشہ یکساں رہی ہے جب کہ یہ شروع میں تیز اور بعد میں سست تھی۔ لہذا ان طریقوں سے معلوم کی گئی زمین کی عمر اتنی پرانی نہیں ہے جیسا کہ نصابی کتب میں بیان کی جاتی ہے۔ کئی بار زمین کی سب سے قدیم تہوں میں بھی پیچیدہ جانداروں کے فوسل ملے جب کہ ارتقاء کے مطابق شروع میں صرف سادہ جاندار تھے۔ یہ حقیقت عوام سے چھپائی گئی۔

ارتقاء کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انسانی عضو تناسل کی سامنے سے راکٹ جیسی شکل اس لیے ہے کہ باقی نر انسانوں کے سپرم یا مادہ منویہ کو ہٹا سکے۔ کیا یہاں کوئی گینگ ریپ ہورہا تھا جو یہ دلیل دی گئی؟

ایک اور بات یہ کہ ارتقا کے ماہرین فوسل یا حجری حیاتیات کی عمر معلوم کرنے کے لیے فضا میں موجود کاربن 14 کو استعمال کرتے ہیں جو کہ ہماری فضا میں کائناتی شعاعوں یا Cosmic Rays سے آتی ہے جب کہ سورج کی سطح میں ابھرنے والے شعلے----Solar Flares....اور آتش فشاں بھی اس کو بڑھاتے ہیں۔ اس، طرح فوسل کی عمر معلوم کرنے کا یہ طریقہ بھی مکمل ٹھیک نہیں کیونکہ مختلف وقتوں میں اس کاربن کی مقدار فضا میں مختلف رہی ہے۔

جہاں تک ملر یورے کے زندگی کے مرکبات تیار کرنے کے تجربے کی بات ہے تو اس تجربے میں دائیں اور بائیں یعنی Dextro And Levo دونوں طرح کے مالیکیول بنے جب کہ ہم انسان صرف ایک طرح کے مالیکیول رکھتے ہیں اور اس طرح اس تجربے سے بھی انسان کا ارتقاء سے وجود میں آنے کا نظریہ ناکام ہو جاتا ہے۔

فرینکس کولنز جو کہ عیسائی ماہر ارتقاء اور ہیومن جینوم پروجیکٹ کا سربراہ تھا،یہاں تک کہتا ہے کہ خدا نے سادہ جاندار بنا ہے اور پھر ارتقاء بعد میں شروع ہوا۔

Abiogenesis کے نظریے کو فرانسیسی سائنسدان لوئس پاسچر نے غلط ثابت کر دیا تھا۔اس کے مطابق زندگی خود بخود غیر جاندار اشیاء سے وجود میں نہیں آسکتی۔ایک جاندار صرف اپنی طرح کا جاندار ہی پیدا کر سکتا ہے۔اگر پرندے ڈائینو سار سے بنے تو کسی مقام پہ ڈائینو سار نے انڈے دیے ہوں گے جن سے بچہ پیدا ہوا ہوگا جو ڈائینو سار جیسا نہیں تھا جب کہ بیالوجی یا حیاتیات کے مطابق یہ ناممکن ہے۔

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید

(حصہ ہفتم،ساتواں حصہ)

ارتقاء کے ماہرین دعوی کرتے ہیں کہ جب ڈارون نے جانداروں کی نئی سپی شیز یا اقسام کے وجود میں آنے کا نظریہ پیش کیا تو اس کے صرف دو سال بعد ایک جیسا جانور دریافت ہوا جس نے ثابت کیا کہ پرندے رینگنے والے جانوروں۔۔۔۔۔۔Reptiles.....سے ایک نئی نسل کے طور پہ وجود میں آئے۔یہ جانور جو کہ جرمنی میں دریافت ہوا۔اس کو ایک سو پچاس سے ایک سو پینتالیس ملین سال پرانا جانور قرار دیا گیا۔اس کے جبڑے میں دانت تھے،پر تھے اور ایک لمبی دم تھی۔یہ دعوی کیا گیا کہ یہ جانور ظاہر کرتا ہے کہ اڑنے والے پرندے رینگنے والے جانوروں یا ڈائینو سار سے وجود میں آئے اور اس جانور کو Archaeopteryx یعنی اولین جناحہ کا لقب دیا گیا۔اس کی حقیقت کیا تھی۔اب اس کو دیکھتے ہیں۔اس پر Duane Gish Ph.D نے ایک مضمون لکھا ہے جس کا نام ہے As A Transitional Form Archaeopteryx Would Not Fly۔اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ارتقاء کے ماہرین کے دعوی کے برعکس یہ جانور پرواز کرتا تھا۔بیدارد نے اس جانور اور دوسرے دو جانوروں Icthyornis And Hesperornis کے متعلق کہا کہ یہ سب مخلوقاتی پرندے تھے جو کہ پرندوں کی ابتداء کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے اور یہ جانور یا پرندہ تھا یا پروں والا ایک رینگنے والا جانور۔اس طرح اور اس طرح کی مثال رکھنے والے فوسل سے ملنے والے پیچیدہ جاندار مثلا

سنیل، جیلی فش اور اس طرح کے دوسرے جاندار ظاہر کرتے ہیں کہ زندگی بغیر ارتقاء کے شروع ہوئی کیونکہ یہ فوسل بغیر درمیانی جانداروں کے اپنی اصلی شکل میں فوسل یا حجری حیاتیات میں ملتے ہیں۔ سائنس کے مطابق کئی ملین سال پہلے ایسے جانور پائے جاتے تھے جو زمین پر رینگتے تھے اور ہوا میں اڑتے تھے۔ ان کو Flying reptiles کا نام دیا جاتا ہے۔ کچھ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ Archaeopteryx بھی انہی جانوروں میں سے ہے نہ کہ ارتقاء کا ایک مسنگ لنک۔ یہ حقیقت میں ایک پرندہ تھا جس کے پر تھے نہ کہ پرندے اور رینگنے والے جانوروں کے درمیان کا کوئی اور جانور۔ اس کے کئی فوسل ظاہر کرتے ہیں کہ یہ پر کے حوالے جدید پرندوں کے مشابہہ تھا جب کہ نہ اڑنے والے پرندوں جیسا کہ مور اور مرغی کے پر حقیقی پرندوں سے بہت مختلف ہیں۔ اصلی جناحہ یا Archaeopteryx کے پروں کا تناسب حقیقی پرندوں جیسا ہے اور اس کی شعبیہ یا Furcula ہڈی بھی اڑنے والے پرندوں جیسی ہے۔ اس کی اناٹومی یا جسمانی ساخت میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جو اسے اڑنے سے روک سکتی اور یہ حقیقی پرندہ تھا نہ کہ ارتقاء کا ایک مسنگ لنک یا درمیانی سلسلہ۔ ارتقاء کے ماہرین دعوی کرتے ہیں کہ اس کی اکیس خصوصیات ڈائینو سار سے ملتی ہیں جب کہ گزشتہ دس سالوں کی تحقیق ظاہر کر چکی ہے کہ یہ کسی طرح بھی ڈائینو سار سے نہیں ملتا۔ جب لندن میں باس کے ایک نمونے کی کھوپڑی کی ہڈی۔۔۔۔۔Cranuim......کا مطالعہ کیا گیا تو یہ ایک پرندے سے ملتی تھی نہ کہ ڈائینو سار سے۔ بینٹن۔۔۔۔۔۔Benton......کہتا ہے کہ اس کی سر کی ہڈیاں اور کھوپڑی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک حقیقی پرندہ تھا نہ کہ پرندوں کا جد امجد جس سے باقی پرندوں کی نسل وجود میں آئی۔ ہاؤبٹز۔۔۔۔Haubutiz...نے جدید سی ٹی سکین کے ذریعے اس کی جبڑے کی چوگوشہ ہڈی۔۔۔۔۔Quadrate......کا معائنہ کیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ یہ ہڈی باقی پرندوں کی طرح دو منہ والی ہے نہ کہ ارتقاء کے ماہرین کے دعوی کے مطابق ایک منہ والی۔ ایل ڈی مارٹن اور ان کے معاون تحقیقات میں ظاہر کر چکے ہیں کہ اولین جناحہ یا Archaeopteryx کے دانت اصل پرندوں جیسے ہیں اور ٹخنے کی ہڈی کسی طرح ڈائینو سار سے نہیں ملتی۔ اس طرح ارتقاء کے ماہرین کا یہ دعوی غلط ثابت ہوتا ہے کہ اولین جناحہ یا Archaeopteryx رینگنے والے جانوروں سے پرندوں کی نسل بننے کا ثبوت ہے۔

ارتقا کے ماہرین کا یہ دعوی کہ سب جانداروں میں چھ بنیادی عناصر یا بائیو ایلیمنٹس یعنی کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، سلفر یا گندھک کا مشترک ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ان کی ابتدا ایک مشترک جاندار سے ہوئی۔ یہ دعوی بھی غلط ہے۔ ان عناصر کا مشترک ہونا یہ تو ظاہر کر سکتا ہے کہ یہ سب جاندار اپنی خوراک زمین سے حاصل کرتے ہیں اور ان کا خالق ایک ہے لیکن یہ نہیں کہ ان کی ابتدا ایک مشترک ہے۔ اگر وہ ہماری یہ بات نہیں مانتے تو انہیں ارتقاء کے حق میں اور ثبوت لانے ہوں گے جب کہ وہ ان ثبوتوں میں بھی ناکام ہو چکے ہیں اور غیر جانبدار سائنسدانوں کی تحقیقات ان کے ثبوت غلط ثابت کر چکی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ارتقاء کے ماہرین یہ دعوی کرتے ہیں کہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہوائی کے جزائر میں پودوں اور جانوروں کی خاص اقسام کا پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں زندگی بتدریج ارتقاء پذیر ہوتی رہی ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ان علاقوں کے جانداروں کی یہ سب ترکیب ارتقاء کا نتیجہ ہے تو اسی ارتقاء سے ان جزیروں میں صرف ایک خاص قسم کے جانور کیوں بنے۔ جانداروں کی سب اقسام کیوں نہیں بنی اگر ارتقاء ایک ہی جاندار سے سارے جاندار پیدا کر سکتا ہے کیونکہ یہاں جانداروں کی کچھ خاص اقسام پہ پائی جاتی ہیں۔ اس طرح ارتقاء کے حامیوں کا یہ دعوی بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔

ارتقاء کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ 1994 میں پاکستان میں پچاس ملین سال قدیم جانور کا ایک ڈھانچہ جسے Ambulocetus natans کہتے ہیں،یہ ظاہر کرتا ہے کہ فیل ماہی یا وہیل مچھلی اس جاندار سے بنی لیکن اس کے Hooves چھوٹے ہیں اور یہ اپنی زندگی کا اکثر حصہ پانی میں گزارتا تھا۔جب کہ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ حقیقت میں زمینی جانور تھا اور اسے ارتقاء کی درمیانی کڑی۔۔۔۔Transitional Form.....کہنا غلط ہے۔اپنے بچوں کو دودھ پلانے والے جانوروں یعنی میملز کی طرح اس کی چار ٹانگیں تھیں اور چوڑے پنجے تھے۔نیشنل جیوگرافک نے اس کی پچھلی ٹانگوں کو پیروں کے بغیر دکھایا جب کہ کیرول۔۔۔۔Carrol....کے مطابق اس کی پچھلی ٹانگیں بھی تھی اور یہ زمین پہ چل سکتا تھا۔کچھ سائنسدانوں کے مطابق اس کے پاؤں پنجے جیسے بھی نہیں تھے۔اس کا حوالہ ہے Pictures From Carrol,Pattern And Process Of Vertebrate Evolution P335۔یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ نیشنل جیوگرافک سمیت باقی سائنسی جریدے کس طرح ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے عوام سے جھوٹ بولتے رہے ہیں۔عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کوئی ایک بندر کا ڈھانچہ اٹھا کے اس کو ارتقاء کا درمیانی سلسلہ کہنا شروع کر دے اور تصویروں میں اس کے پنجے اور چوجیسے پیروں کی بنیاد پہ یہ کہے کہ یہ فیل ماہی یا وہیل مچھلی کا جد امجد ہے تو یہ جھوٹ عوام کو کیسے سمجھ آئے گا۔ارتقاء کے ماہرین عوام سے جھوٹ پہ جھوٹ بولے جاتے ہیں اور عوام سائنس سے نابلد ہونے کی وجہ سے ان پہ یقین کر لیتی ہے جب کہ منصف سائنسدان ان پہ سوالات اٹھاتے رہتے ہیں۔

ارتقاء کے ماہرین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جدید انسان ایپ بن مانس کی ....Sahelanthropus.....کی نسل سے وجود میں آئے جو کہ اس وقت موجود تھا جب انسان اور بن مانس زمین میں پھیلنا شروع ہوئے۔یہ دعویٰ 2001 میں کیا گیا لیکن ارتقاء کا یہ دعویٰ بھی انتہائی متنازعہ اور مشکوک ہے۔نیچرل ہسٹری میوزیم کے برگیٹی سینٹ۔۔۔۔Brigitte Senut....کے مطابق اس کی کھوپڑی اور خصوصا Canine دانت بجائے انسان کے مادہ گوریلا جیسے ہیں۔اس نے کہا کہ اس کو انسانوں کا جد امجد کہنے کے لئے لازمی ہے کہ اس کی کچھ خصوصیات انسانوں جیسی ہوں جب کہ ایسا نہیں ہے اور تحقیقات نہیں ظاہر کرتی کہ یہ انسان کی طرح دو پاؤں پہ چلنے والی مخلوق۔۔۔۔Biped Creature.....تھا۔کچھ ماہرین اس بن مانس کو بن مانس کی ایک معدوم ہو جانے والی نسل قرار دیتے ہیں نہ کہ انسان کا جد امجد۔اس طرح یہ ثبوت بھی یہ ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ انسان بن مانس سے وجود میں آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جانداروں میں پائی جانے والی کچھ مشترک خصوصیات یہ ظاہر تو کر سکتی ہیں کہ ان کا خالق ایک ہے لیکن یہ نہیں کہ یہ جاندار ارتقاء سے وجود میں آئے کیونکہ اب تک ارتقاء کے حامی جانوروں کی ایک سپی شیز یا قسم کے ڈی این اے کی تعداد تبدیل ہو جانے سے دوسری نسل میں تبدیل ہونے کا ثبوت نہیں فراہم کر سکے۔محض مفروضے اور نظریات پہ مبنی باتیں ہیں جن کا آج تک کوئی پختہ سائنسی ثبوت نہیں ملتا۔

ارتقاء کے ماہرین دعویٰ کرتے ہیں کہ سب جانداروں کا ایک مشترک جد امجد Eusthenopteron تھا جو کہ زمین پر آج سے 358 ملین سال پہلے موجود تھا۔وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مچھلی Icthyostega یا خشکی و تری دونوں میں زندہ رہنے والے جانوروں۔۔۔۔Amphibians....میں تبدیل ہو گئی جب کہ وہ آج تک یہ ظاہر نہیں کر سکے کہ مچھلی کے تیرنے والے بازو یا فن ٹانگوں میں تبدیل کیسے ہوئے۔اس کے لیے دعویٰ کیا گیا کہ گرین لینڈ سے ملنے والے فوسل یا حجری حیاتیات اس کی تصدیق کرتے

ہیں جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس فوسل کے درمیانی خان کی ہڈی مچھلی کے مشابہہ تھی جو کہ کچھ مچھلیوں میں سننے اور سانس لینے دونوں میں کام آتی ہے۔یہ کسی طرح ظاہر نہیں کرتی تھی کہ یہ مچھلی ایمفیبین کا درمیانی سلسلہ ہے۔گولڈ۔۔۔۔Gould.....اور ایلڈرج۔۔۔۔Eldredge....کہتے ہیں

"ارتقاء میں درمیانی سلسلوں کا ظاہر کرنا ناممکن ہے اور فوسل یا حجری حیاتیات کے ریکارڈ میں ان کی کوئی گواہی نہیں۔"

ارتقا کے حامیوں کے مطابق جب سے سیب کا پودا شمالی امریکہ میں متعارف کروایا گیا ہے تب سے سیب کے مگیسیہ۔۔۔۔۔Apple Maggots.....کی ایک نئی سپی شیز یا قسم وجود میں آرہی ہے جو کہ اپنے اجداد کے برعکس پھول کی خاردار لکڑی کو نہیں کھاتی۔یہ ایک احمقانہ دلیل ہے۔اس میں بھلا یہ کس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وہی جاندار نہیں رہی۔اور جاندار میں تبدیل ہو گئی۔

ارتقاء کے ماہرین کچھوے کو۔ زبردستی مچھلی کی نسل سے قرار دینے کے لیے اتنے بے چین ہیں کہ کبھی کس فوسل تو کبھی کس فوسل کو اس کا جد امجد قرار دیتے ہیں۔پہلے دعوی کیا گیا کہ یہ Odontochelysسے وجود میں آیا۔پھر دعوی کیا گیا کہ یہ Eunotosaurusسے وجود میں آیا۔پھر دعوی کیا گیا کہ یہ Pappochelysسے وجود میں آیا اور اس کو Grandfather Turtleکا لقب دیا گیا۔ان کے مطابق یہ 240 ملین سال پہلے ظاہر ہوا۔حقیقت یہ ہے کہ اس کی کھوپڑی جدید کچھوے سے کچھ مختلف ہے اور دوسری بات یہ کہ اس کے خول کچھوے کی طرح ملے ہوئے نہیں ہیں۔اگرچہ ان کے دانت ہیں لیکن یہ پھر بھی حقیقی کچھوے لگتے ہیں کیونکہ آج بھی کچھ ایسے کچھوے پائے جاتے ہیں جن کے خول ملے ہوئے نہیں ہوتے۔جدید کچھوے کی طرح اس کے سینے کے عضلات۔۔۔۔۔Intercostal Muscles.....پسلیوں سے منسلک نہیں ہیں اور اسے کچھوے سے مختلف کوئی جانور قرار دے کے اسے ارتقاء کا درمیانی سلسلہ یا مسنگ لنک قرار دینا غلط ہے۔

آپریشن ارتقائے فہم و دانش

نظریہ ارتقاء یا تھیوری آف ایولوشن اور اس کی تردید
(آخری اور آٹھواں حصہ)

ارتقاء کے ماہرین دعوی کرتے ہیں کہ گھوڑے ایک چھوٹے جاندار سے وجود میں آئے جسے Eohippus کہا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ گھوڑوں کے ارتقاء کا جو سلسلہ ارتقاء کے ماہرین کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے،اس میں کئی درمیانی سلسلے موجود نہیں اور جو فوسل یا حجری حیاتیات کا ریکارڈ ملتا ہے وہ ان کی مشابہت بجائے گھوڑوں کے اور ایسے جانوروں سے کرتا ہے جن کی الگ حیثیت کے طور پہ شناخت کی جا چکی ہے۔ان کا فوسل ریکارڈ بھی نا مکمل ہے اور یہ دوسرے جانوروں سے خلط ملط ہے مثلا اس سلسلے میں Parahippus کا فوسل ریکارڈ نامکمل ہے اور حقیقت میں اسے دو الگ جانوروں Miohippus اور Merychippus میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کا گھوڑوں سے کوئی تعلق نہیں ظاہر ہوتا۔1992 میں گھوڑوں کے ارتقاء کے سلسلے کو اور چیلنج کیا گیا اور ظاہر ہوا کہ اس سلسلے میں پائے جانے والے پانچ جانور اور قسم کے ہیں اور ان کا گھوڑوں کے ارتقاء سے کوئی تعلق نہیں۔جن جانوروں کو گھوڑوں کا جد امجد قرار دیا جاتا ہے،انہی جانوروں کے زمانے کے گھوڑوں کے حقیقی فوسل بھی ملے ہیں۔یعنی گھوڑے ان جانوروں سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ان جانوروں کے زمانے میں حقیقی گھوڑے موجود تھے۔

جہاں تک گھونگے کے ارتقاء کی بات ہے تو ماہرین یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ادن کے حجری حیاتیات کے ریکارڈ میں ان میں کوئی واضح ارتقائی تبدیلی نہیں دیکھی گئی اور یہ فوسل ریکارڈ میں بغیر کسی ارتقاء کے ابتدائی کیمبرین عرصے میں اچانک ملتے ہیں جو کہ ان کی خدائی تخلیق ظاہر کرتے ہیں۔افریقی جھیلوں میں پائی جانے والی سنیل ارتقاء کا کوئی واضح عمل ظاہر نہیں کرتی۔

چین میں ملنے والے ایک مردہ پرندے کے ڈھانچے کے بارے میں یہ دعوی کیا گیا کہ یہ ایک سو تیس ملین سال پرانا فوسل یا حجری حیاتیاتی ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ تمام پرندے اس سے ارتقاء پذیر ہوئے۔اس کو Archaeornithura کا نام دیا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ اس کی اپنی خصوصیات ایک مکمل پرندے جیسی ہیں۔جن یہ خود ایہ پرندہ ہے تو اس بنیاد پہ یہ کہنا کہاں کی عقلمندی ہے کہ باقی پرندے اس سے وجود میں آئے جب کہ ساتھ یہ دعوی بھی کیا جاتا ہے کہ اس وقت اس کے ہم عصر دوسرے پرندے بھی موجود تھے۔

ارتقاء کے ماہرین کی طرف سے دعوی کیا جاتا ہے کہ جراثیم یا بیکٹیریا نائیلون کو ہضم کرنے والے کیمیاوی مادے یا انزائم تیار کر چکے ہیں۔یہ بات اس حد تک تو ٹھیک ہے لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہی بیکٹیریا اپنی نسل تبدیل کر کے ایہ کیڑے،پھر گھونگے، مچھلی، مینڈک، مگرمچھ، خرگوش، بکری، بندر، بن مانس اور پھر انسان میں تبدیل ہو جائے گا۔اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکا آج تک جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

ارتقاء کے حامی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں انسانی جنین یا ایمبریو کے باقی جانوروں کی طرح بال ہوتے ہیں جو کہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ جانور اور انسان ایک ہی جانور سے وجود میں آئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم میں کبھی بھی بال پیدا کرنے والے جلدی عضو Hair Follicle کی تعداد تبدیل نہیں ہوتی۔بلکہ یہ تین طرح کے بال پیدا کرتے ہیں،ایک ماں کے پیٹ میں جو بعد میں جھڑ جاتے ہیں،دوسرے بلوغت کے وقت اور تیسر عمومی لیکن بال پیدا کرنے والے Hair Follicles کی تعداد ایک رہتی ہے اور اسے ارتقائی تبدیلی کہنا غلط ہے۔

ارتقاء کے حامی دعوی کرتے ہیں کہ انسان کے جسم میں ایسے اعضا موجود ہیں جن کا کوئی فعل نہیں لیکن وہ انسان کے ارتقاء کو دوسرے جانوروں سے ظاہر کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ 1890 میں ان اعضا کی تعداد جن کو ارتقاء کے حامی فضول

یاVestigial Organs کہتے ہیں 180 تھی اور اب یہ تعداد صفر ہو چکی ہے۔ سائنس دریافت کر چکی ہے کہ ان بے مقصد کہے جانے والے اعضاء کے بھی کئی مفید استعمال ہیں۔ مثلا چھوٹی آنت اور بڑی آنت کے ملنے کے مقام پہ موجود اپنڈکس کو ارتقاء کے حامی بے مقصد عضو اور ارتقاء کی نشانی کہتے تھے لیکن اب سائنس یہ دریافت کر چکی ہے کہ یہ عضو مدافعاتی یا Immine Function انجام دیتا ہے اور بڑی آنت سے چھوٹی آنت میں داخل ہونے والے جراثیم مار دیتا ہے۔ اس طرح چھوٹی آنت بڑی آنت کے برعکس جراثیمی اثر سے پاک رہتی ہے۔ کیا کمال تخلیق ہے خالق کی۔ سبحان اللہ

اس طرح گلے میں پائے جانے والے ٹانسلز غدود غذا کے غذا کی نالی میں داخلے کے وقت اس میں موجود جراثیم مارنے کا کام انجام دیتے ہیں جب کہ ارتقاء کے حامی پہلے اسے بھی بے مقصد عضو قرار دیتے تھے۔ اس طرح دماغ میں پائے جانے والے غدود Pineal gland کو بھی بے مقصد عضو کیا جاتا تھا لیکن آج سائنس ثابت کر چکی ہے کہ یہ نیند لانے والا قدرتی کیمیاوی مادہ یا ہارمون Melatonin پیدا کرتا ہے۔

ارتقاء کے حامیوں کے ایک اور دعوے کے مطابق فیل ماہی یا وہیل مچھلی کی چھوٹی پچھلی ٹانگیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ زمین پہ چلنے والے جانوروں سے وجود میں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہیل کے پیڑو یاPelvis کی ہڈیاں اس لیے قدرتی طور پر بڑی ہوتی ہیں تاکہ ان میں جنسی اعضاء سما سکیں اور ان ہڈیوں سے ان کی چھوٹی ٹانگوں کا گمان ہوتا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

انسان اور دوسرے جانوروں کے درمیان پائی جانے والی مشابہت یہ ظاہر تو کر سکتی ہے کہ ان سب جانداروں کا خالق ایک ہے لیکن ارتقاء کو نہیں اور ارتقاء کے ماہرین ارتقاء کا ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

ارتقاء کے ماہرین کا دعوی ہے کہ بچوں جو دودھ پلانے والے جانور یا میملز کچھ رینگنے والے جانوروں یا ریپٹائلز سے وجود میں آئے۔ اس کے لیے انہوں نے جو ارتقائی سلسلہ بیان کیا ہے آج تک وہ زمین پر کسی ایک جگہ پہ نہیں ملا بلکہ مختلف براعظموں کے مختلف فوسل یا حجری حیاتیات پہ مبنی ہے جب کہ کسی بھی براعظم میں ایک جیسے جانوروں کا پایا جانا مشکل ہے اور اس وقت تو اور بھی مشکل ہے جب زندگی ارتقاء کے مرحلے میں ہو۔ دوسرا یہ کہ اس سلسلے میں بیان کیے جانے والے فوسل بذات خود ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس کی مکمل تفصیل یہاں مضمون طویل ہو جانے کی وجہ سے بیان نہیں کی جا رہی۔

ارتقاء کے حامی ڈی این اے سے پروٹین بننے کے تمام جانداروں میں مشترک عمل Central Dogma کو ارتقاء کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ بار پھر وہی پہ آجاتی ہے کہ یہ ارتقاء کی نہیں، سب کے ایل خالق کی نشانی ہے، اگر واقعی ارتقاء ٹھیک ہے تو کروموسوم کی تعداد بدلنے سے ایک نئی قسم کے جاندار کے وجود میں آنے کا ثبوت دے۔ جب کہ اس میں ارتقاء ناکام ہو جاتا ہے۔

انفلوئنزا وائرس میں آنے والی سالانہ وراثتی تبدیلیاں جن سے یہ جراثیم جسم کی اپنے خلاف مدافعت یاImmunity کو ناکام بنا دیتا ہے، صرف اس بات کا اظہار ہیں کہ یہ تبدیلی اس کے اندر ہی ہو رہی ہے اور یہ لاکھوں سال سے ہو رہی ہے۔ لاکھوں سال سے ہونے والی اس تبدیلی سے یہ وائرس، وائرس سے جانور نہیں بن گیا۔

انسانی آنکھ میں پائے جانے والے ایک عضلاتی حصے Plica Semilunaris کے بارے میں ارتقاء کے ماہرین دعوی کرتے ہیں کہ یہ ہمارے جانور آباء واجداد کی تیسری آنکھ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ارتقاء کی نشانی نہیں بلکہ آنکھ میں ایک مفید عمل انجام دینے والا حصہ ہے جو آنکھوں کی حرکت کے دوران آنکھ کی رطوبت پیدا کرنے والے اشکی غدود یا Lacrimal Gland

سے اس کی رطوبت کا آنکھ میں اخراج کراتا ہے تا کہ آنکھ گیلی رہے،اس کے علاوہ یہ آنکھوں کی حرکت میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔
جب کہ ارتقاء کے حامی اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسان پہلے ایک جانور تھا اور یہ اس کی تیسری آنکھ کی نشانی ہے۔
ارتقاء کے حامی دعوی کرتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کی ہر چیز کو پکڑنے کی کوشش کرنے کا خودکار عمل۔۔۔۔Grasp Reflex.....ارتقاء کی نشانی ہے۔جب کہ حقیقت میں یہ بچے کے دماغ کی بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ حرکی نشونما۔۔۔۔Motor Development.....کو ظاہر کرتی ہے۔
ارتقاء کے حامی دعوی کرتے ہیں کہ انسان کے خصیوں یا Testes سے مادہ منویہ یا سپرم عضو تناسل میں منتقل کرنے والی نالی۔۔۔۔Vas deferens.....کا خم دار ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اجداد جانور کے جنسی اعضاء اندر تھے۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نالی سپرم ذخیرہ کرنے،ان کی نشوونما اور ان کو خوراک فراہم کرنے کا کام انجام دیتی ہے جب کہ ارتقاء کے حامی اسے بھی زبردستی ارتقاء کی نشانی بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔
ارتقاء کا حامیوں کا ایک اور دعوی ہے کہ کینسر یا سرطان کا علاج اس لیے مشکل ہے کیونکہ اس کے سیل یا خلیے علاج کے خلاف ارتقاء کے عمل کے تحت مزاحمت کرتے ہیں۔یہ بھی ایک بیوقوفانہ دلیل ہے۔کینسر کے خلیے صرف اپنے وراثتی مادے یا ڈی این اے میں تبدیلی یا میوٹیشن کی وجہ سے خود بخود بڑھنا شرور ہوجاتے ہیں لیکن اس سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس جاندار کے اندر ایک اور جاندار پیدا کردیں۔یہ مائیکرو ایوولوشن ہے جب کہ حقیقی Macro Evolution جس سے ایک جاندار سے نئ نسل اور نئی قسم کا ایک اور جاندار بن جائے ناممکن ہے اور آج تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
اس کے ساتھ ہی میرا مضمون مکمل ہوتا ہے ورنہ ارتقاء کے نظریے کی سائنسی غلطیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس پہ ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔آخر میں میرا ارتقاء کے حامیوں سے صرف ایک سوال ہے۔وہ یہ کہ اگر زندگی ایک سیل یا خلیے سے شروع ہو کر انسان تک ارتقاء کے عمل سے پہنچی ہے اور اس میں خدا کا کوئی ہاتھ نہیں ہے تو زمین پہ پائے جانے والے کئی بے آباد جزائر پر جہاں بارش،پانی،ہوا،مٹی سب دستیاب تھا،وہاں انسان بتدریج بن مانس سے وجود میں کیوں نہیں آئے ؟وہاں جانوروں کی ساری نسلیں وجود میں کیوں نہیں آئی ؟آج ڈیڑھ سو سال بعد بھی یہ نظریہ کوئی حتمی ثبوت فراہم کیوں نہیں کر سکا ؟
میرے اس مضمون پر کسی ساتھی کو کوئی اشکالات یا سوالات ہیں تو وہ پوری آزادی سے پوچھ سکتا ہے۔انشاءاللہ سائنسی دلائل سے جواب دیا جائے گا۔
قارئین کی قیمتی رائے اور مفید سوالات کا انتظار رہے گا۔
منجانب احید حسن